اثباتِ پردہ

حضرت علامہ سید علی نقی نقوی اعلیٰ اللہ مقامہٗ

مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز

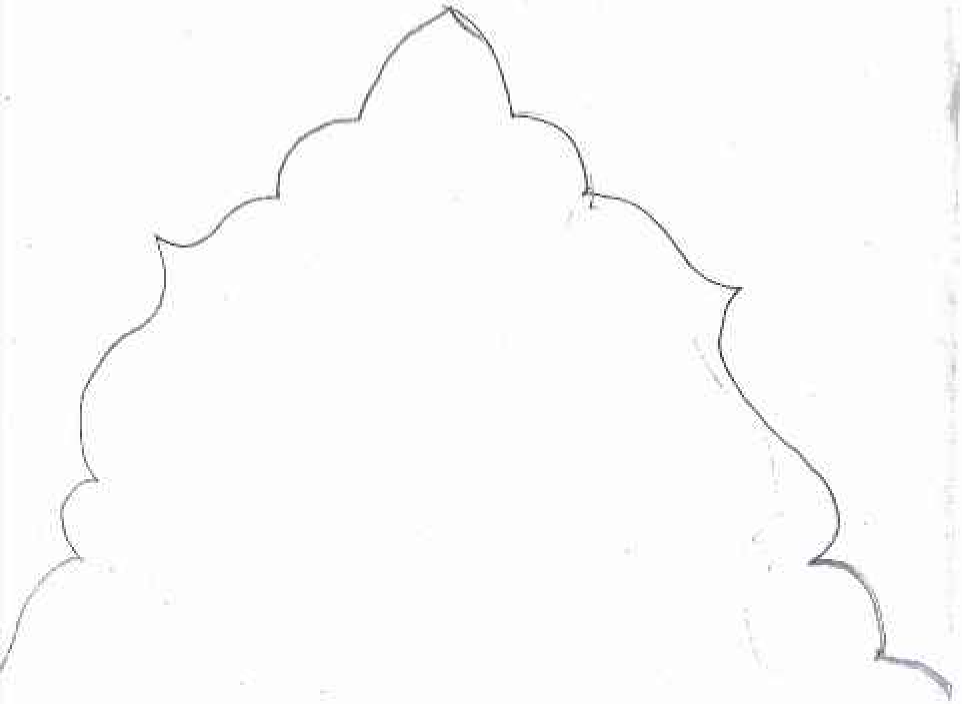

اثباتِ پردہ

از افادات

حضرت علامہ الحاج سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشر

مِصباحُ الہُدیٰ پبلیکیشنز

۱۰۔ گنگارام بلڈنگ۔ شاہراہِ قائدِ اعظم۔ لاھور

نام کتاب : اثباتِ پردہ

مؤلف : علامہ سید علی نقی نقویؒ

ناشر : مصباح الہدیٰ پبلیکیشنز۔ لاہور

زیرِ اہتمام : مصباح القرآن ٹرسٹ۔ گنگارام بلڈنگ لاہور

مطبع : معراج دین پرنٹرز۔ لاہور

اشاعت : شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

قیمت : روپے Rs 30/-

ملنے کا پتہ

قرآن سنٹر

۲۴-۱ الفضل مارکیٹ، اُردو بازار۔ لاہور

فون : ۷۳۱۴۲۱۱

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	عرض ناشر	۵
۲	پردہ اور اس کی اہمیت	۷
۳	حجاب قبل از اسلام	۱۱
۴	نظر کا پردہ اور اسلامی احکام	۲۳
۵	پردہ کے متعلق قرآنی احکام	۲۷
۶	حکم پردہ سے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کا استثناء	۳۹
۷	خاندانِ رسول ﷺ اسوہ حسنہ اور مسلمانوں کا عمل درآمد	۵۷
۸	مخالف شبہات تاویلات اور ان کا جواب	۷۳
۹	پردہ کی اہمیت کا ایک خاص پہلو	۹۱
۱۰	پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟	۱۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

تاریخی بیانات اور مذہبی تعلیمات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل بھی عورتوں میں پردے کا رواج پایا جاتا تھا۔ لہذا یہ کوئی ایسی رسم نہیں ہے کہ جس کی ابتدا اسلام نے کی ہو، کیونکہ ایران و روم جو اس وقت کی دنیا میں دو طاقت ور سلطنتیں اور متمدن معاشرے تھے، ان میں عورتیں پردے کی پابند تھیں۔ علاوہ ازیں عیسائیت اور یہودیت جو الہامی مذاہب تھے، ان میں بھی عورتوں کے لیے پردے کے احکام موجود تھے۔

پس آج کل مغربی ممالک میں عورتوں کی بے پردگی اپنے مذاہب سے بغاوت اور اپنی معاشرتی اقدار سے بے تعلقی کا نتیجہ ہے اور ان کے پاس اپنے اس طرزِ عمل کا کوئی معقول جواز بھی نہیں ہے۔ اسی طرح بعض مشرقی قومیں جو مغرب کی دیکھا دیکھی اس روش کو اپنانے میں دلچسپی لے رہی ہیں، ان کے ہاں بھی کمزور باتوں کے سوا اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جس معاشرے میں عورت پردے سے آزاد ہو جاتی ہے، وہ معاشرہ اخلاقی زوال اور ان گنت بلاؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب۔ اثباتِ پردہ۔ سید العلماء علامہ السید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہٗ کی تالیف ہے۔ اس میں عورتوں کیلئے اسلام کے حکمِ پردہ پر مخالفین کے آٹھ اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے جو اس پر وارد کیے جاتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں اس میں قرآن وحدیث کی رو سے پردے کے احکام بڑے دلنشیں انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ہر صاحبِ عقل انسان کے ایک دعوتِ فکر اور انسانی معاشروں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے۔

یہ کتاب ایک عرصہ قبل امامیہ مشن پاکستان کی مساعی سے شائع ہوئی تھی اور اب نایاب ہو چکی ہے۔ لہذا مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز نے فریضۂ تبلیغ اور مومنین کے اصرار کے پیش نظر اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم اپنے کرم فرماؤں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

لاہور

۲۸ر نومبر ۱۹۹۰ء

ڈائرکٹر

مصباح الہدیٰ پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ

پردہ اور اس کی اہمیّت

پردہ کے سوال نے اس وقت سے بہت اہمیت حاصل کرلی جب سے مغربی تمدن کے اثرات مشرقی ممالک پر پڑنے لگے اور جتنے یہ اثرات بڑھتے گئے اتنا ہی اس سوال کی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا اور میرا خیال یہ ہے کہ ان تمام مسائل میں جو تمدن قدیم اور تمدن جدید کے درمیان معرض بحث میں آئے۔ اس سوال کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ دوسرے سوالات محدود طبقہ اور محدود حالات سے متعلق تھے۔ لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر نصف بلکہ نصف سے زیادہ نوع انسانی کے حالات اور طرز زندگی پر پڑتا ہے۔

پھر جب سے ممالک اسلامیہ میں پردہ کے خلاف انقلاب برپا ہوا جس میں مصر کا نمبر پہلا اور ٹرکی کا دوسرا اور شاہ کے زمانے میں ایران کا تیسرا ہے۔ اس لئے دوسرے ممالک مثلاً عراق و شام اور حجاز بھی متاثر ہوئے اور اس کے اثرات دوسرے ممالک اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑنا لازمی تھے۔ اس صورت میں جو لوگ کہ مذہب سے علانیہ بے نیاز ہو چکے۔ ان کے لئے تو آسان تھا۔ وہ تو کہتے ہی ہیں کہ مذہب مجموعہ

خرافات واوہام ہے۔ انہی توہمات سے ایک پردہ کے حکم کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

مگر جو لوگ کہ بظاہر مذہب سے وابستگی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے تجدد پسندانہ خیالات یا رویہ کو حق بجانب قرار دینے کے لئے آیات و احادیث کے غلط تاویلات کر کے یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پردہ کوئی اسلامی حکم نہیں ہے۔

خصوصیت کے ساتھ پاکستان کی بنیاد چونکہ اسلام کے نام پر ہوئی ہے۔ اس لئے وہاں کے متجددین میں سے کوئی بھی اسلام کے خلاف کھلم کھلا تو آواز بلند نہیں کر سکتا لیکن مغرب پرستی اور تجدد پسندی ان کی رگ رگ میں بھری ہوئی ہے۔ اس لئے اس تجدد پسندی کو مذہب کی حمایت کے ساتھ سازگار بنانے کے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ کار ہے کہ خود اسلام پر اتہام کا راستہ اختیار کیا جائے اور یہی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام میں پردہ کا وجود نہیں ہے۔

میرا نظریہ ہے کہ پہلی قسم کے لوگ مذہب سے علانیہ منحرف ہو چکے ہیں۔ ان سے جزئیات اور فروع پر کوئی گفتگو بیکار ہے ان سے تو اگر کوئی بحث بھی کی جائے تو وہ اصل اصول یعنی مذہب کی حقانیت کو واضح کیا جائے نیز ان عقلی پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے جو اس کے نفع نقصان سے متعلق ہیں۔

میرے خیال میں بہت سے وہ مسائل جن پر ہمارے علم اور زبان کی طاقتیں صرف ہوا کرتی ہیں۔ اس وقت مردہ ہو چکے ہیں مگر پردہ کا مسئلہ ایک زندہ مسئلہ ہے۔ بہت سے مسائل عملی سے زیادہ خیالی ہوتے ہیں۔ مگر یہ ایک اہم عملی سوال ہے۔ جس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

پردہ کی اخلاقی بنیاد جو ہے یعنی عورت کا مرد کے مقابلہ میں ایک خودداری کا احساس جس کے نتیجے میں تہذیب کا یہ فیصلہ قائم ہوتا ہے کہ ایک مرد کو خیانت کے ساتھ عورت کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہیئے۔ اور عورت مرد کی طرف قدم نہ بڑھائے۔ یہ وہ منزل ہے جس میں ابھی تک ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے اشتراکیت کے ایک نظریہ کے جو عورت کو بھی مثل دیگر اموال کے ملک مشترک قرار دیتا ہے اور کوئی بھی اس اخلاقی اصول کا منکر نہیں ہے اور شکر ہے کہ ہمارے ہندوستان

اور پاکستان میں اس طرح کی اشتراکیت کی حمایت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے اور اس طرح پردہ کی جو اصل اساس ہے وہ اب تک بحمداللہ ہمارے ان ملکوں میں قائم ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہاں کی موروثی غیرت و حمیت جو یہاں کے ہندو اور مسلم دونوں میں کم و بیش پائی جاتی رہی ہے۔ وہی ڈیڑھ سو برس تک تسلط قائم رہنے کے باوجود ہندوستان میں مغربی اثرات کے اس حد تک پھیلنے سے مانع رہی جو دوسرے ممالک میں صرف آس پاس کے حالات کو دیکھ کر پیدا ہو گئے۔

یہاں جن جن گھرانوں میں پردہ اٹھا۔ ان میں سے بعض کے حالات جو گوش زد ہوئے انہوں نے دوسروں کو لرزہ براندام کر دیا اور بہت سے جو پرواز ترقی کے لئے پر تول رہے تھے، پر سمیٹ کر بیٹھ گئے۔ ایسے بھی بعض تھے جو قلم اور زبان سے پردہ کے خلاف جہاد کرتے رہے مگر خود اپنے گھر سے پردہ کو نہ اٹھا سکے۔ اس غیرت کی وجہ سے جو یہاں کے لوگوں کو ورثہ میں ملی ہے اور یہی وہ امید کی کرن ہے جو تاریک مستقبل میں یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ شاید ہمارے یہ دونوں ملک اس تمدنی تباہی سے دوچار نہ ہوں جس سے بہت سے یورپ کے ممالک اس وقت دوچار ہو چکے ہیں خصوصاً اس لئے کہ جس یورپ کی تقلید میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اسے خود اپنی تمدن کی خرابیوں کا احساس بہت حد تک پیدا ہو گیا ہے اور پھر ہندوستان میں اب عرصہ سے مغرب کی تقلید کا جذبہ کم ہوتا جا رہا ہے اور مشرقی خصوصیات کو زندہ رکھنے کا خیال ترقی کر رہا ہے۔ خصوصاً اب جب کہ برطانیہ کا تسلط بھی اُٹھ گیا ہے اور ہندوستان و پاکستان آزاد ہو چکے ہیں۔ مگر پاکستان میں یہ خطرہ زیادہ ہے کہ وہ براہ راست یورپ کی تقلید کو بُرا سمجھتے ہوئے بھی بلاواسطہ نہ سہی لیکن تقلید مصر و ترک کی بناء پر بالواسطہ اس دام میں گرفتار ہو جائے اور اس میں سیاسی آزادی کی ہوا معاشرتی آزادی کے جذبہ کو تقویت دے کر پردہ کے خلاف اور زیادہ شورش انگیزی کی باعث ہو جس کے آثار بھی کچھ نظر آتے ہیں اس کے دفعیہ کے لئے فرض شناس حقیقت پر ور افراد کا فرض ہے کہ قلم اور زبان کی پوری طاقت صرف کر دیں نتیجہ چاہے کچھ نہ ہو مگر اپنی ذمہ داری تو پوری ہو ہی جائے گی۔

غور کیا جائے تو پردہ دورِ وحشت کی یادگار تو سمجھا نہیں جا سکتا۔ بہر حال وہ دورِ تمدن ہی کی پیداوار اور افرادِ انسانی نے ضرورت کا احساس کر کے اسے اختیار کیا ہے۔

ہمارے اسلاف نے مدتوں قبل پردہ نہ ہونے کے حالات کا تجربہ کر کے پردہ کے قانون کو اختیار کیا اور نہ سب کو آج کل کے تجدد پسند اشخاص الٰہی چیز نہ بھی مانیں تب بھی اسے انہیں بالغ نظر دانش مندوں کے ارتقاء دماغی کا نچوڑ تو ماننا ہی پڑے گا۔ بہر حال نوعِ انسانی کے ایک بڑے طبقہ نے پردہ کی ضرورت کو محسوس کر کے پردہ کی بنیاد رکھی اور اسے مستحکم کیا۔ اب اس وقت ان کی مدتوں کی محنت پر پانی پھیر کر اس عمارت کو ڈھا دینا تو آسان ہے مگر جب تجربے کے بعد ان احباب کا اندازہ ہو گا جو پردہ کی پابندی کے داعی ہوئے تھے تو سوائے حسرت و افسوس کے کچھ چارۂ کار نہ ہو گا۔

ممکن ہے اس وقت پھر ہم کوشش کریں اس رسم کے جاری کرنے کی۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی عمارت کا گرانا آسان ہوتا ہے اور بنانے کے لئے بڑی مدت درکار ہوتی ہے۔ پھر یہ اینٹ، چونے یا پتھر کا مکان نہیں جو سال میں بن کر تیار ہو جائے۔ بلکہ یہ قوم کے مزاج اخلاقی کی عمارت ہے۔ جو صدیوں میں تعمیر ہوتی ہے۔ اسے معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیئے اور صرف جدت پسندی فیشن یا دوسروں کی دیکھا دیکھی تمدن کے اس خزانہ عامرہ کے برباد کرنے پر آمادہ نہ ہونا چاہیئے۔ جسے ہمارے اسلاف نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ حاصل کیا تھا۔

حجاب قبل از اسلام

جب ہم کہتے ہیں "اسلام کے قبل" تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ قومیں جو اس وقت تمدن کی دعویدار تھیں ان میں پردہ کا رواج تھا یا نہیں۔ دوسرے وہ مذاہب جو اس وقت مقبولیت رکھتے تھے ان میں پردہ کی تعلیم پائی جاتی تھی یا نہیں۔

پہلی حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اپنی سلطنتی طاقت کی بناء پر، جو تمدن بڑی عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ دو تھے ایک مملکت فارس کا تمدن دوسرے مملکت روم کا۔ یہی دونوں وہ تھے جو عربوں پر اثر انداز بھی ہو رہے تھے کیوں کہ علاوہ آزاد قبائل کے عرب کا ایک حصہ فارس کے زیر اثر تھا جس میں عراق داخل تھا اور یہاں ملوک حیرہ تھے ایک اور حصہ روم کے زیر اثر تھا۔ جس میں شام داخل تھا، اور یہاں ملوکِ غسان تھے۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے لحاظ سے یونان کا شہرہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں کا تمدن قابل لحاظ تھا۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مدائن اور فارس میں پردہ موجود تھا اور روم میں اپنی انتہائی شوکت و قوت کے دور میں پردہ کی بڑی سخت پابندی تھی، مورخین لکھتے ہیں کہ سلطنت روم میں کمزوری اسی وقت سے پیدا ہوئی کہ جب سے بوالہوس مردوں نے بھولی بھالی عورتوں کو فریب دے کر پردہ شکنی پہ آمادہ کر دیا اور رفتہ رفتہ ہوس پرستی میں ترقی ہوتی گئی اور شہوت رانی جنون کے درجہ تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ عورتیں مہمات ملکی میں دخیل ہو گئیں اور ان ہی کے ہاتھوں سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

اس زمانہ میں ایک مشہور حکیم اور واعظ "کاٹن"، اپنی پر زور تقریروں میں اس

تمدنی خرابی پر توجہ دلایا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ قوم دو سخت بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ایک مالدار طبقہ کی حد سے زیادہ کنجوسی اور دوسرے عورتوں کا حد سے زیادہ بڑھا ہوا اقتدار۔ مگر جذبات کے طوفان میں ان تقریروں کا زیادہ اثر نہیں لیا جاتا تھا۔ آخر جو آخری انجام ہونے والا تھا وہ سامنے آگیا۔

یونان کی قدیم عورتیں اپنے چہرہ کو ایسی نقاب سے چھپاتی تھیں جو جارٹرکس دامر جرس سے آتی تھی اور پردہ کے معاملہ میں بہت انہماک رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ گھروں کی مامائیں بھی نکلتی تھیں تو چہرہ پر نقاب ڈال لیتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان میں ایک اس طرح کا پردہ بھی رائج تھا جس سے قد و قامت کی شکل و مقدار معلوم نہیں ہوتی تھی۔

اسپارٹا میں عورتیں جب گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو پردہ ضروری سمجھتی تھیں اور چہرہ کو چھپانے کی پابند تھیں۔

یورپ تہذیب و تمدن میں اس وقت کسی شمار میں نہ تھا مگر روس میں جو آج آزادی کا مرکز ہے ۱۹۳۶ء تک پردہ موجود تھا۔

اب دوسری حیثیت سے دیکھا جائے یعنی مختلف مذاہب کے تعلیمات پردہ کے بارے میں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس وقت اسلام کی تعلیم کا آغاز ہوا ہے اس وقت دنیا میں زیادہ تر دو مذہب پھیلے ہوئے تھے ایک یہودیت دوسرے عیسائیت یہود کی مقدس کتاب توریت اور اس کے ملحقات ہیں جو "عہد نامہ قدیم" کے نام سے مشہور ہیں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں اس کے ساتھ ساتھ انجیل اور اس کے ملحقات داخل ہیں۔

بائبل کے عہد جدید میں حضرت یسوع مسیح کا یہ قول موجود ہے کہ "تم سے کہا گیا تھا کہ عورتوں کو نہ دیکھو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تم ان کے برقعوں پہ بھی نظر نہ ڈالو۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت موسوی میں عورت پر نگاہ کرنے کی ممانعت موجود تھی۔ نیز پردہ کے لئے برقع کا رواج موجود تھا اور یہ بھی کہ حضرت مسیح نے اس حکم میں مزید شدت پیدا کر دی۔

توریت کے سفر پیدائش باب ۲۴ میں یہ بھی درج ہے کہ "اسحٰق نکلے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے۔ شام کے وقت۔ اُدھر سے ایک قافلہ آتا ہوا نظر پڑا۔ جس میں ربقہ تھیں۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر برقع لیا اور اس سے پردہ کر لیا۔"

سفر امثال کے باب ۷ میں قابل نفرت عورت کے اوصاف میں لکھا ہے کہ "اس کے پیر ٹکتے نہیں کبھی باہر ہے اور کبھی سڑکوں پر۔"

پولس رسول کے خط میں جو قرنیتوں کے نام ہے گیارھویں باب میں لکھا ہے "جو عورت سر برہنہ دعا کرے وہ اپنے سر کو رسوا کرتی ہے"۔ پھر لکھا ہے "مرد عورت سے نہیں ہے بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لئے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی ہے اور عورت کو چاہیئے کہ اپنے سر پر عزت کا پردہ رکھے۔"

پھر لکھا ہے "خود اپنے دل میں انصاف کرو کہ کیا عورت کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ بے پردہ خدا سے دعا کرے۔ کیا تم خود اپنی طبیعت کو نہیں آزماتے ہو کہ اگر مرد سر پر لمبے رکھے تو عیب ہے اور اگر عورت سر پر بال رکھے تو فخر ہے اس لئے کہ اُسے بال پردے کے لئے دیے گئے ہیں۔

تیطس کے نام خط میں فصل دوم میں لکھا ہے :۔

"جوان عورت کو نصیحت کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے مردوں کو دوست رکھیں، پابند ہوں، پارسا ہوں اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ مثل دیگر احکام کے یہ تعلیمات اسلامی احکام کے لحاظ سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو ایک گھٹنیوں چلنے والے بچہ کو کامل انسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر بھی ان سے شریعت کے رجحان کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قانون میں عورت اور مرد کی حیثیت یکساں نہیں ہے بلکہ عورت کے لئے خصوصی طور پر پردہ کی تاکید ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود ملک عرب میں اسلام کے قبل پردہ تھا یا نہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں ملکِ عرب کی تاریخ اور اس کے تمدن و معاشرت جاننے کا بہت بڑا ذریعہ اس کے اشعار ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الشعر دیوان العرب یعنی اشعار قومِ عرب کا دفتری خزانہ ہیں۔ چونکہ ان میں تصنع کا پتہ نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر فطری اور واقعاتی شاعری کرتے تھے اس لئے ان کی شاعری ان کی زندگی کے متعلق معلومات کا آئینہ ہے۔

اشعارِ عرب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے یہاں پردہ موجود تھا اور اصحابِ عزت اور ممتاز گھرانوں میں چہرہ کا چھپانا ضروری سمجھا جاتا تھا۔

وہ لباس جس سے چہرہ مخفی کیا جاتا تھا چند قسم کے تھے۔ (۱) پہلے قناع یعنی مقنع۔ چنانچہ عنترہ بن شداد عبسی اپنے مشہور قصیدہ میں جو سبع معلقات میں درج ہے لکھتا ہے۔

ان تغدفی دونی القناع فاننی طب باخذ الفارس المستلئم

"یعنی تم اگر میرے سامنے مقنع ڈال لیتی ہو تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں تو بڑے بڑے زرہ پوش شہسواروں تک کو قبضہ میں لے آنے کے فن سے واقف ہوں۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مقنع عورتوں کے لباس میں داخل تھا۔ یہ امر کہ مقنع چہرہ کا پردہ ہوتا تھا ذیل کے شعر سے ظاہر ہے۔

فلما تواقفنا وسلمت اقبلت وجوہ زہاھا الحسن ان تتقنعا

یہاں کچھ آزاد منش حسینوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

"جب ہم جا کھڑے ہوئے اور میں نے سلام کیا تو متوجہ ہوئے۔ ہماری طرف وہ چہرے جنہوں نے اظہارِ حسن کی غرض سے مقنع پوشی اختیار نہ کی تھی۔"

دوسرے "نصیف" یہ لفظ بھی مقنع ہی کے لئے استعمال ہوتی تھی اس بنا پر کہ مقنع سر پر ڈالا جائے تو نصف حصہ سر پر رہتا ہے اور نصف حصہ سے چہرہ چھپایا جاتا ہے اس لئے اس حصہ کو "نصیف" کہتے ہیں۔ اس کا ذکر نابغہ ذبیانی کے شعر میں ہے اس موقع پر جب وہ نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے پاس آیا ہے۔ اتفاق سے اس وقت

متجرّہ زوجہ نعمان بھی موجود ہے اور بے اختیار اس کے سر کا مقنع گر گیا۔ اس نے فوراً اپنی کلائی سے اپنے چہرہ کا پردہ کر لیا۔ شاعر اس منظر سے متاثر ہوتا ہے اور اس شعر میں تکلم کرتا ہے:۔

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ فتناولتہ واتقتنا بالید

(یعنی) "مقنع اس کے چہرہ سے گر گیا در آنحالیکہ اس نے گرانا چاہا نہیں تھا تو اس نے (ایک ہاتھ سے) اس مقنع کو پکڑا اور (دوسرے) ہاتھ کے ساتھ ہم سے پردہ کیا۔"

مقنع اور اس سے چہرہ کے چھپائے جانے کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا احساس ان خواتین کو اتنا تھا کہ اگر اتفاق سے بے اختیاری کے عالم میں چہرہ سے مقنع گر جاتا تھا تو وہ ہاتھ سے پردہ کر لیتی تھیں۔

(تیسرے) برقع جیسا کہ ابوالنجم عجلی نے کہا ہے اپنی آزاد منش محبوبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے:۔

من کل عجزاء سقوط البرقع بلہاء لم تحفظ ولم تضیع

"فربہ اندام۔ برقع کو بے پرواہی سے اوڑھنے والی بھولی بھالی جس کی اخلاقی نگرانی پورے طور پر نہیں کی گئی۔ مگر ناز و نعمت کے خیال کو جس کے نظر انداز نہیں کیا گیا۔"

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اپنی کتاب امالی میں "سقوط البرقع" کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ارادانہا تبرز وجہہا ولا تسترہ

"برقع کو گرانے والی" کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے چہرہ کو کھلا رکھتی ہے اور اسے چھپاتی نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برقع سے عموماً چہرہ چھپایا جاتا تھا۔ نیز یہ کہ جو عورتیں اخلاقی آزاد منشی کی وجہ سے پردہ سے بے نیاز بھی تھیں وہ بھی عام رواج کی بنا پر برقع اوڑھنا ضروری سمجھتی تھیں۔ جیسے ہمارے زمانہ کی بہت سی وہ عورتیں جو برقع اوڑھنے کے ساتھ چہرہ

کو نمایاں کرتی رہتی ہیں مگر برقع اوڑھ کر رواجاً اپنے کو پردہ دار ثابت کرتی ہیں۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

لهونا بسنجول البراقع حقبة فما بال دهر لزنا بالوصاوص

مدت تک ہمیں دلچسپی کا موقع ملا۔ ایسے حسینوں کے ساتھ جو اپنے برقعوں کی آنکھیں کشادہ بناتی تھیں تاکہ مشتاقان دید چہرہ کا جلوہ کچھ نہ کچھ دیکھ سکیں؛ (اس کا نمونہ بھی آج کل بعض نام نہاد پردہ داروں میں نظر آتا ہے لیکن زمانہ کے ہاتھوں اب کچھ ایسی خواتین سے سابقہ پڑا ہے جو اپنے برقع کی آنکھوں کے سوراخ بہت چھوٹے رکھتی ہیں۔ اس لئے شاعر کی حسرت دیدار پوری نہیں ہوتی۔

ان تمام اشعار سے عموماً چہرہ کے پردہ کا رواج ظاہر ہے۔ ان کے علاوہ ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) شاعر حماسی اپنے مخالف قبیلہ پر شماتت کے طور پر میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے ان عورتوں کی بے پردگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے۔

ونسوتكم في الروع بادوجوهها يخلن اماءً والاماء حرائر

"تمہاری عورتیں میدان جنگ میں اس عالم میں تھیں کہ ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ کنیزیں معلوم ہوتی تھیں۔ حالانکہ حقیقت میں یہ کنیز صورت شریف عورتیں تھیں"۔

اس شعر سے پردہ کا عمومی رواج اس حد تک ثابت ہوتا ہے کہ وہ شرافت و حرمت کی نشانی تھا اور یہ کہ چہرہ کھول کر باہر نکلنا اس وقت کنیزوں سے مخصوص تھا۔ اس لئے کہ اگر اشراف عرب میں عورتوں کا بے نقاب نکلنا رائج ہوتا تو اسے دشمن کے سامنے بطور شماتت و تشنیع ذکر نہ کیا جاتا۔

۲۔ ایک اور شاعر ربیع بن زیاد کہتا ہے۔

قد كن يخبان الوجوه تسترا والیوم حین بدون للنظار

یہ بھی ویسے ہی موقع کا تذکرہ ہے جب میدان جنگ میں اضطراب کی وجہ سے عورتوں کے چہروں سے نقابیں ہٹ گئی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ دشمن کا ذکر تھا اور یہ اپنی جماعت کا۔ وہ تبسم زیر لب کے ساتھ بطور شماتت کہا جا رہا تھا اور یہ ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ بطور اظہار رنج۔ کہتا ہے کہ ہمیشہ یہ خواتین پردہ داری کے طور پر اپنے چہرے چھپائے رکھتی تھیں۔ مگر (افسوس) آج وہ اس طرح نکلیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے بے پردہ تھیں۔

شارح حماسہ خطیب تبریزی نے شرح میں کہا ہے:۔

ای کانت نساؤنا یخبأن وجوھھن عفۃ وحیاء والآن

ظھرن للناظرین لا یعقلن من الحزن

یعنی "ہماری عورتیں اپنے چہروں کو عفت وحیا سے چھپائے رکھتی تھیں اور اس وقت رنج وغم سے وہ ایسی بدحواس ہوئیں کہ دیکھنے والوں کے سامنے نکل آئیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سوائے اضطراری موقع کے عرب میں چہروں کا بے نقاب رکھنا روا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(۴) ابن دریہ کہتا ہے:۔

عھدت بھا وحشا علیہا براقع   وھذی وحوش اصبحت لم تبرقع

یہ شعر تغزل میں ہے۔ ادبائے عرب جوان عورت کو ہرن، نیل گائے وغیرہ وحوش سے تشبیہ دیتے تھے۔ شاعر کی نظر دیار محبوب پر پڑتی ہے جو اب خالی ہیں اور وہاں جنگل کے ہرن گائیں وغیرہ مختلف (بیچ بیچ کے) وحوش چرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو ان حسینوں کو یاد کرتا ہے جو کسی وقت ان مکانات میں بسی ہوئی تھیں اور کہتا ہے کہ

"میں نے وہ سماں ایک وقت میں دیکھا ہے جب یہاں ایسے وحوش نظر آتے تھے جن پر برقعے ہوتے تھے اور آج یہ وحوش ہیں جو برقع پوش نہیں ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ برقعے عمومی طور پر خواتین عرب میں رائج تھے۔ ورنہ برقع کے

ثبوت اور نفی کو شاعر انسان اور حیوان کی تفریق کا کنایہ نہ بنا تا۔ کیونکہ اس نے "وحوش" کی لفظ کو مشترک قرار دیا ہے صرف جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے انسانی وحوش یعنی دو شیزائیں مراد ہیں وہ (علیھا براقع) ان پر برقع کا موجود ہونا ہے اور جس لفظ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے واقعی وحوش یعنی جانور مراد ہیں۔ وہ (لم یتبرقع) برقع پوش نہ ہونا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے اس کا کہ برقع عام طور پر اُس وقت طبقہ خواتین میں انسانیت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

برقع کے متعلق یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ چہروں کے پردہ کا ذریعہ ہوتا تھا اب اس کی لغوی تحقیق بھی سن لیجئے۔ چونکہ اردو زبان میں برقع کا مفہوم ذرا مختلف ہو گیا ہے یہاں تک کہ اب تو برقع نے ایک وضع لباس کی شکل بطور فیشن اختیار کر لی ہے جس کے ساتھ پردہ ہونا ضروری نہیں ہے مگر عربی زبان میں برقع کا یہ مفہوم نہ تھا۔ عکبری شارح دیوان متنبی نے لکھا ہے:۔

البرقع نقاب تتخذہ نساء الاعراب بستر الجبینین و الحواجب والوجہ فیہ ثقبتان لنعینین ——— (یعنی) برقع وہ نقاب ہے جسے عرب عورتیں استعمال کرتی ہیں جس سے پیشانی، ابرو اور چہرہ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور بس دو سوراخ آنکھوں کے لئے ہوا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرب میں وہ پردہ بھی موجود تھا جس سے تمام قد و قامت کی مقدار نظر سے مخفی ہو جائے۔ ان الفاظ میں جو اس پردہ کے لئے وضع ہوئے ہیں، ایک "خدر" ہے۔ چنانچہ اسی لئے مشتق ہو کر ہماری عربی آمیز اردو میں پردہ نشین خواتین کے لیے "مخدرات" کی لفظ مستعمل ہے۔

"خدر" کا ذکر زمانہ جاہلیت کے اشعار میں موجود ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

اعمی اذا ما جارتی خرجت ——— حتی یواری جارتی الخدر

(اپنی پارسائی کا اظہار ہے کہ) میں اندھا بن جاتا ہوں جب میری ہمسایہ خاتون باہر نکلتی ہے۔ جب تک کہ میری اس ہمسائی کو خدر چھپا نہ لے" بلکہ شریف عورت کی خصوصی تعریف "خدر" کی نسبت دے کر عام روزمرہ میں جاری و ساری تھی۔ ملاحظہ ہو امراء القیس کا شعر:

وبیضۃ خدر لا یرام خباؤھا تمتعت من لھو بھا غیر معجل

اس میں حسین عورت کی تعبیر ہی "بیضۃ خدر" سے کی گئی ہے۔ جس میں اضافت اتفاقی تعلق کی بنا پر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ عموی یا کم از کم عارضی اضافت و تعلق کا پتہ دیتی ہے۔

دوسری لفظ جو اسی طرح کے پردہ کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ وہ بھی اسی شعر میں مذکور ہے۔ "خباء" یہ بھی اسی طرح کے پردہ کا نام ہے۔ جو تمام قامت انسانی کے چھپانے کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کے علاوہ عورتوں کو پردہ کا اتنا خیال تھا کہ "خباء" یا "بیت" کے اندر بھی گھر والوں سے مخفی ہونے کے لئے سوتے وقت پردہ ڈال لیتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ سوتے وقت مخصوص خواب کا لباس پہنتی تھیں۔ جسے "فضالہ" کہتے ہیں۔ اسے پہن کر وہ عام گھر کے لوگوں کے سامنے بھی نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ اس پردہ کا بھی ذکر امراء القیس کے کلام میں موجود ہے۔

فجئت وقد نضت لنوم ثیابھا لدی الستر الا لبسۃ المتفضل

"میں آیا اس حالت میں کہ اس نے سونے کے لئے اپنے عام کپڑوں کو اتار دیا تھا۔ پردہ کے پیچھے سوائے اس لباس کے جو شب خوابی کا ہوتا ہے۔"

ان تمام شواہد و اسناد سے ظاہر ہے کہ عرب کی عورتوں میں پردہ کا کس حد تک رواج تھا اور کس طرح وہ ان میں معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔

تاریخی واقعات سے بھی ثابت ہے کہ عرب میں چہرہ کے چھپانے اور پردہ کرنے کا رواج تھا۔ چنانچہ اسد الغابہ ابن اثیر جزری (جلد ۳ صہ ۹۵) میں یہ واقعہ درج ہے کہ حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کا گزر اثیلہ بنت راشد کی طرف سے ہوا اس حالت میں کہ اس نے اپنا برقع اپنے چہرہ سے اٹھایا تھا جب وہ جنگل میں اپنی بکریوں کو چرا رہی تھی۔ حمل بن مالک کی نظر جوں ہی اس پر پڑی اور اس کے حسن و جمال کو دیکھا فوراً اپنے اونٹ کو بٹھا کر اسے باندھ دیا اور اثیلہ کی طرف آکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ اپنے آپے میں آؤ۔ اس وقت ہم اور تم اتفاقی طور پر ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی ہے تو میرے باپ سے میری شادی کا پیغام دو۔ وہ تمہاری خواہش کو رد نہ کریں گے۔ اس نے نہ مانا اور دست درازی کرنا چاہی۔

لڑکی بہادر تھی اس نے اٹھا کر دے مارا، سینہ پر بیٹھ گئی اور اس سے عہد و پیمان لیا کہ اب اس طرح کا ارادہ نہ کرے گا۔ اس کے بعد سینہ سے اتر گئی تو وہ پھر بیتاب ہوا اور شرارت پر آمادہ ہوا۔ لڑکی نے پھر اس کو گرا دیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور آخری بار اس کے سر پر ایک لکڑی مار کر اُسے زخمی کر دیا۔ جس کے بعد افتاں و خیزاں وہ واپس گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ عرب کی بلند درجہ امیر خواتین کا ذکر نہیں۔ بلکہ متوسط الحال اور غریب عورتیں ایسی کہ خود بھیڑ بکریاں چرانے جنگل میں جاتی تھیں وہ بھی اپنے چہرہ پر برقع ڈال لیتی تھیں اور اتفاق سے بے ضرورت برقع چہرہ سے ہٹا تھا تو یہ فتنہ برپا ہوا۔

گزشتہ تبصرہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود تھا۔ اس زمانہ کے متمدن اقوام میں رواجاً بھی۔ اس زمانہ کے مذاہب میں اصولاً بھی اور خود ملک عرب میں بطور عمل درآمد بھی۔

اس کے بعد چونکہ اسلام کا مقصد سابق کی ہر غلط بات کی اصلاح تھی، خواہ یک بارگی اور خواہ تدریجاً۔ یہاں تک کہ بعض ایسی باتیں جو کسی ممدوح جذبہ کے ماتحت رائج تھیں مگر طریق کار غلط تھا۔ اس کے خلاف بھی آواز بلند کی گئی جیسے لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا بربنائے غیرت اولاد کو فقر و فاقہ کے نتائج سے بچانے کے لئے۔

یہاں تک کہ بعض ایسی پابندیاں جو غلط طور پر عائد کر دی گئی تھیں۔ ان کے برطرف کرنے کے لئے اس نے اپنے رسولؐ کو بڑی سخت نکتہ چینی کے برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔ صرف اس کے لئے کہ عوام کی ذہنیت میں تبدیلی ہو اور ایک غلط بات جو قائم ہو گئی ہے برطرف ہو جائے۔ جیسے اپنے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا اور اس کی بیوی کو بہو سمجھا جو عام طور سے رائج ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے رسولؐ خود میدان عمل میں آ گئے اور آپ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ زینب بنت جحش سے خود عقد کرنا ضروری سمجھا جس پر پہلے مشرکین ہی کی طرف سے نہیں بلکہ آریوں اور عیسائیوں کی طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہے۔ مگر اصلاح خلق کا مقصد اتنا اہم تھا کہ پیغمبرؐ نے ان اعتراضات ... کی پرواہ نہ کی۔

اور خود اپنے عمل سے اس کی نظیر قائم کرنا ضروری سمجھی۔

بعض چیزیں جو ایک دم ختم کرنا مناسب نہیں سمجھی گئیں ان میں اس طرح کے قیود و حدود عائد کئے گئے جن سے رفتہ رفتہ وہ کم ہوتی جائیں، یہاں تک کہ ایک وقت میں بالکل ختم ہوسکیں۔ ایسی چیزوں کے متعلق اگر شرع میں کوئی صاف ممانعت نہیں بھی ہوتی تو اس کے احکام سے کم از کم اس کے منشا اور اس کے رجحان کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کے کام کی رفتار اس شے کو بڑھانے کی متقاضی ہے یا کم کرنے کی۔ جیسے غلامی۔ اگرچہ اسلام نے بردہ فروشی کو کلیۃً ممنوع نہیں کیا مگر اس کے مختلف احکام سے اس کا یہ رجحان ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آزادی کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیجیے تو اگر اسلام کے قبل پردہ کا وجود نہ ہوتا اور اسلام پردہ قائم کرنے کی ضرورت سمجھتا تو ہمیں اسلام میں پردہ قائم کرنے کی ضرورت تھی لیکن جب کہ اسلام کے قبل پردہ موجود تھا تو اگر بالفرض اسلام کے نزدیک یہ ایک غلط رسم ہوتی اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو اسلام میں اس کے خلاف آواز بلند کی گئی ہوتی۔ اگر صراحتہً ممانعت نہ بھی ہوتی تو اس طرح کے احکام ہوتے جو اس میں تدریجی طور پر خفت پیدا کرنے کے باعث ہوں لیکن جب کہ ایسا نہیں ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام نے اس رسم کی برائی سے خاموشی اختیار کی جو خود اس رسم کے باقی رکھنے کا ثبوت ہوتی بلکہ اس نے اس رجحان کو قومی بنانے کے اسباب فراہم کئے اور اس پابندی کو سخت کر دینے کے احکام جاری کئے تب تو کسی صورت سے یہ سمجھنا ممکن ہی نہیں کہ اسلام پردہ کے خلاف ہے یا وہ پردہ کا حامی نہیں ہے۔

❋

نظر کا پردہ اور اسلامی احکام

پردہ کی پہلی قسم نظر کا پردہ ہے۔ اس کے بارے میں قرآن نے صاف طور پر حکم دیا ہے بلکہ اس سے مرد اور عورت کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ ایک طرف مردوں کے لئے حکم دیا:

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذالک

ازکیٰ لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون ○ (نور۔ ۳۰)

"اے رسولؐ ایمان لانے والے مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے اور اللہ ان کے کردار سے خوب واقف ہے"

اس میں مردوں کو اجنبی عورتوں پر نگاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بلا استثنا جس کے ساتھ اعضائے جسم کی کوئی تخصیص بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ غیر عورت کو دیکھنا نہیں چاہیئے اور چونکہ کسی کو دیکھنے سے متبادر جو مفہوم ہے وہ اس کے چہرہ پر نظر کرنا اس لئے چہرہ سب سے پہلے اس حکم میں داخل ہوگا۔

"یہ نفس کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے" اس سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ نگاہوں کا غیر عورت پر پڑنا نفس میں طرح طرح کی بری نیتیں پیدا ہونے کا باعث ہے اور اس لئے چشم پوشی کو لازم قرار دیا ہے۔

پھر لطیف عنوان سے یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تم اس بارے میں لوگوں کی نگاہیں بچا کر اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو تمہاری اس "دزدیدہ نگاہی" سے دوسروں کو اطلاع ہو یا نہ ہو مگر اللہ تو ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے اس کے سامنے تمہیں نگاہوں کے محاسبہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

یغضوا من ابصارھم کو یحفظوا فروجھم کے ہمدوش کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ نگاہوں کا تبادلہ اکثر "جنسی گناہ" کے عمل میں آجانے کا سبب بن جاتا ہے اور اس لئے نظر کا کسی پر پڑنے نہ دینا اپنے کو اس جنسی گناہ (ارتکاب زنا) سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ہمارے استاد علام جناب سید باقر صاحب طاب ثراہ نے پردہ پر اپنی کتاب "اسدار الرغاب" میں جو نجف اشرف میں شائع ہوئی ہے تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت سے استدلال میں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں یغضوا کے ساتھ 'من ابصارھم' کی لفظ ہے۔ اور من عربی میں تبعیض یعنی جزئیت کے لئے آتا ہے اس لئے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ اپنی نظروں کو روکنا چاہئے۔ لہذا یہ ثابت نہیں ہوگا کہ کلیۃً اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

اس کے متعدد جواب ہیں جن میں سب سے زیادہ مضبوط پہلو یہ ہے کہ من تبعیض کے لئے وہاں ہوتا ہے جہاں محاورہ کے لحاظ سے منؔ کے استعمال کا عام رواج نہ ہو۔ لیکن اگر کسی لفظ کے ساتھ من بطور "صلہ" کے عموماً استعمال ہوتا ہے جیسے اُردو میں کہنے کے ساتھ "سے" کی لفظ مثلاً "میں نے تم سے کہا" اور فارسی میں "گفت" کے ساتھ "ب" کا استعمال مثلاً "باد گفت" اور عربی میں قول کے ساتھ 'ل' کا استعمال مثلاً قال لہٗ" اس طرح اگر کسی فعل کے ساتھ عربی میں 'منؔ' کا استعمال ہوتا ہے تو اس صورت 'من' 'تبعیض' کو نہیں بتائے گا۔ بلکہ صرف 'صلہ' ٹھہرے گا۔ غضّ کی لفظ ایسی ہی ہے کہ اس کے ساتھ "من" کا استعمال بطور صلہ ہوتا ہے۔ جس کی اہل لغت نے تصریح کی ہے۔

فیومی نے "مصباح منیر" میں لکھا ہے :۔

غض الرجل صوتہ وطرفہ ومن صوتہ غضا من باب قتل خفض۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ "غضّ طرفہ" اور "غضّ من طرفہ" دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

سید علی خان مدنی شارح صحیفہ کاملہ نے اس فقرۂ دعا کی شرح میں کہ "واغضض بصری عنھم" غضۃ لکھا ہے :۔

غض الرجل بصرہ و من بصرہ من باب قتل خفضہ

اس کا بھی مطلب وہی ہے کہ غضہ و غض من بصرہ کے ایک ہی معنی ہیں۔

کلام عرب میں بھی یہ استعمال شائع ہے۔ چنانچہ جریر نے اپنے فرزند کے مرثیہ میں جس کا ذکر میرو نے کامل میں کیا ہے کہا ہے:۔

فارقتنی حین غض الدھر من بصری وحین صرت کعظم الرمۃ البالی

"تم نے مجھ سے جدائی اختیار کی اس وقت جب اس زمانہ نے میری آنکھوں کو جھکا دیا اور جب میں ایک بوسیدہ ہڈی کے مثل کہنہ و فرسودہ ہو گیا۔"

حماسہ کے شاعر نے کہا ہے۔

واغض من بصری واعلم انہ قد بان اھل فوارسی ورماحی

پھر جب کہ غض کی لفظ کے ساتھ "من" کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے "تبعیض" کے معنی کا پیدا کرنا کہاں درست ہو سکتا ہے؟

یہ حکم یغضوا من ابصارھم تو مردوں کو دیا گیا تھا دوسری طرف عورتوں کے لئے بھی حکم دیا گیا۔ قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن الخ"

"کہو ایمان لانے والی عورتوں سے کہ وہ اپنی آنکھوں کو ہٹائے رہیں اور اپنے کو بدکاری سے محفوظ رکھیں۔"

چونکہ صنفی جذبات کے اشتعال میں نگاہوں کے لڑنے کو بڑا دخل ہے۔ ایک کی نگاہ کا بہرہ یاب حسن ہونا اگر آگ سلگاتا ہے تو دوسرے کی نگاہ کا اٹھ جانا اس آگ میں شعلے بلند کرتا ہے۔ اس لئے ایک طرف مردوں کو عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے روکا۔ اگر ان دونوں حکموں پر عمل ہو تو بہت حد تک خرابیوں کا سدباب رہے۔

احادیث میں بھی غیر عورت کی طرف نظر اٹھانے کی بہت شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔ کبھی ارشاد ہوا النظرۃ سھم من سھام ابلیس مسموم

"نگاہ ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے جو زہر میں بجھا ہوا ہے۔"

اس مضمون کے متعدد احادیث ہیں کبھی فرمایا۔

انما النظرۃ من الشیطان۔ "نگاہ کرنا شیطانی کام ہے"

کبھی فرمایا ایاکم والنظرۃ "دیکھو نظر کرنے سے پرہیز کرو" کبھی

من ملأ عینیہ من حرام ملأ اللہ عینیہ یوم القیامۃ من النار الا ان

یتوب و یرجع جو اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بھرے گا خدا اس کی آنکھوں کو روز

قیامت آتش جہنم سے پُر کرے گا۔"

اس کے علاوہ کثیر التعداد احادیث میں یہ صراحت ہے کہ پہلی نگاہ جائز ہے مگر دوسری

نگاہ حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ راستہ چلنے میں جو ایکا ایکی نظر پڑ گئی تو وہ معاف

ہے یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے راستہ چلو۔ مگر اس کے بعد ارادۃً پھر نظر اٹھا کر

دیکھنا ناجائز ہے اور باعث مواخذہ۔

نہ یہ کہ خاص طور پر تم جو نگاہ اٹھا کر بقصد و ارادہ کسی اجنبی عورت پر نظر ڈالو تو یہ پہلی

دفعہ جائز ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بقصد و ارادہ غیر عورت کے جسم و چہرہ پر نظر ڈالنا تو

مطلقاً حرام ہے خواہ پہلی بار ہو یا بارہائے دگر۔

پردہ کے متعلق قرآنی احکام

لباس کا پردہ یعنی کوئی برقع یا نقاب یا مقنع جس سے جسم کے علاوہ چہرہ بھی مخفی ہو جائے اس کا حکم صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہے:۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبآئھن او اٰباء بعولتھن او ابنآئھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسآئھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورٰت النسآء (النور ۳۱)

(یعنی) "خواتین اپنی آرائش جسمانی کو نمایاں نہ کریں سوائے اس کے جو (پردہ کرنے کے بعد بھی قہراً) آرائش نمایاں ہوتی ہے اور لازم ہے کہ وہ اپنے مقنعے (اپنے سروں پر سے) گریبانوں پر لٹکا لیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں۔ مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپ داداؤں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپ داداؤں کیلئے یا اپنی اولاد کیلئے یا اپنے شوہر کی اولاد کیلئے یا ان بچوں کے لئے جنہیں عورتوں کے نسوانی خصوصیات کی تمیز نہیں ہے"

اس آیت سے محرم اور نامحرم کی تفریق کی بنیاد قائم ہوئی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ محارم سے جن کی یہاں فہرست درج ہے پردہ لازم نہیں ہے اور ان کے علاوہ جتنے ہیں وہ نامحرم ہیں اور ان سے پردہ لازم ہے۔ پھر اس میں یہ اہتمام ہے کہ ان بچوں سے بھی پردہ لازم ہے۔ جنہیں نسوانی امتیازات وخصوصیات کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خمار اوڑھنے اور خمار کو گریبانوں تک لٹکا لینے کا حکم بھی ہے۔ تاکہ چہرہ کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے۔

خمار کی یہ نوعیت کہ اس سے چہرہ مخفی ہوا کرتا ہے کلام اہل زبان کی تتبع سے ثابت

ہے۔ متنبی کہتا ہے۔

انی علی شغفی بما فی خمرها   لاعف عما فی سراویلاتها

"میں باوجود اس شیفتگی کے جو مجھے اس کے "زیر خمار" کے ساتھ ہے پھر بھی پرہیز رکھتا ہوں اس حصہ جسم سے جو زیر جامہ سے مستور ہے۔

عکبری نے تبیان میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

انی مع حبی لوجوههن اعف عن ابدانهن —— (یعنی) "میں باوجود ان کے چہروں کی محبت کے ان کے جسم سے علیحدہ رہتا ہوں"۔

علامہ سید رضی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں نظم کیا ہے:۔

احن الی ما تضمن الخمر والحلی   واصدف عما فی ضمان المآزر

"میں مشتاق رہتا ہوں ان اجزائے بدن کا جنھیں خمار اور زیور پنہاں کئے ہوئے ہیں اور پرہیز کرتا ہوں ان اجزائے جسم سے جو تہ بند کی ضمانت میں ہیں"۔

قاضی ابو علی تنوخی نے کہا ہے:۔

قل للملیحة فی الخمار المذهب   افسدت نسك اخی التقی المترهب

نور الخمار ونور خدك تحته   عجب لوجهك كيف لم يتلهب

"کہو اس حسینہ سے جو زرتار خمار میں ہے کہ تو نے پرہیزگار زاہد کی بھی نیت خراب کر دی۔ خمار کی چمک اور پھر تیرے رخسار کا نور اس کے نیچے۔ تعجب ہے کہ تیرے چہرہ سے شعلے کیوں نہ اٹھنے لگے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خمار چہرہ کے اوپر ہوتا ہے اور رخسار زیر خمار مستور ہوتے ہیں۔

متنبی کا ایک شعر ہے۔

سفرت وبرقعها الحیاء بصفرة   سترت محاسنها ولم تد برقعا

اس کی شرح میں عکبری نے لکھا ہے۔

یقول لما القت خمارها واسفرت عن وجهها برقعها الحیاء بصفرة

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خمار اتار دیا اور چہرہ اتنا ظاہر کر دیا تو حیا اور شرم نے اس کے چہرہ پر سندوری کا برقع ڈال دیا۔"

معلوم ہوا کہ خمار کے اتارنے سے چہرہ ظاہر ہوتا ہے اور خمار ڈالے رکھنے سے چہرہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

بحار الانوار میں حبابۂ والبیہ کی روایت ہے کہ وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت نے دریافت حال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے ایک خاص شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے حاضر نہ ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کیا شکایت۔ اس موقع پر روایت کا فقرہ یہ ہے کہ قالت نکشفت خماری عن برص وہ کہتی ہیں کہ

"میں نے خمار ہٹا کر برص کا نشان دکھایا۔"

اس سے ثابت ہے کہ برص ایسی جگہ تھا کہ خمار سے چھپا ہوا تھا۔ دوسری روایت میں جسے ابن شہر آشوب نے مناقب میں درج کیا ہے تصریح ہے کہ کان بوجھی وضح حبابہ کا بیان ہے کہ میرے چہرہ میں یہ سفیدی کا داغ تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خمار چہرہ سے متعلق ہوتا ہے۔

اس کے بعد جو قرآن نے حکم دیا ہے کہ خمار کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خمار صرف چہرہ کی مقدار بھر نہ ہو ورنہ ہوا کی تحریک یا رفتار کی جنبش سے چہرہ کا کھل جانا یقینی ہے بلکہ وہ ایسا ہو کر گردن کو چھپاتا ہوا گریبان تک پہنچ جائے تاکہ چہرہ و گردن وغیرہ کا کوئی حصہ کسی حالت میں نمایاں نہ ہو۔ اس سے پردہ کے بارے میں قرآن کے اہتمام کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔

(دوسری آیت)

"یا ایھا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین۔

(احزاب - ۵۹)

"اے پیغمبرؐ کہہ دو اپنی بیویوں سے اور اپنے گھر کی لڑکیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے سروں کے اوپر سے چہروں

پر لٹکا لیا کریں۔ یہ کم از کم وہ امتیاز ہے جس سے ان کی شناخت ہو اور پھر انہیں نہ ستایا جائے۔"

واقعہ یہ تھا کہ ابتدائے اسلام میں لاپرواہی سے اکثر عورتیں بس چادر سر پر ڈال لیتی تھیں اور نکل جاتی تھیں۔ بعض منچلے نوجوان کبھی کبھی عورتوں کو چھیڑتے اور ستاتے تھے اور اکثر شریف عورتیں اگر اپنی شرافت کی لاج رکھنا چاہتی ہیں تو انہیں خود اپنا تحفظ کرنا چاہیے۔ ایسا جو اُن کی شرافت کا امتیازی نشان ہو اور وہ یہ کہ یہ اپنے چہروں کو کھولے نہ پھریں۔ بلکہ سروں کے اوپر سے برقع اتنا لٹکا لیں کہ چہرہ پر نقاب کی صورت سے آجائے اور اس طرح آوارہ مزاج نوجوانوں کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ ان کو تکلیف پہنچا دیں۔

لغویین اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ "ادناء جلباب" کے معنی میں چہرہ کا چھپانا ضروری طور پر داخل ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف (جلد ۲ صفحہ ۲۲۱) میں لکھا ہے۔

معنی یدنین علیهن من جلابیبهن یرخینها علیهن
ویغطین بها وجوههن واعطافهن یقال اذا زل الثوب عن وجه
المرأة ادنی ثوبك علی وجهك۔

پھر زمانہ جاہلیت کی لاپرواہی اور آیت کی شان نزول ذکر کرنے کے بعد (جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں)، لکھا ہے:۔

فامرن ان یخالفن بزیهن عن زی الاماء بلبس الاردیة
والملاحف وستر الرؤس والوجوه فیحتشمن ویهبن فلا یطمع فیهن طامع۔

"آزاد اور شریف عورتوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنے سر اور چہرے چھپائیں تاکہ ان کی وقعت قائم ہو اور ہوسناک ان کے بارے میں ہوس سے کام نہ لے سکیں۔"

حافظ جلال الدین سیوطی نے در منثور (جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) میں لکھا ہے:۔

اخرج ابن سعد عن محمد بن کعب القرظی رضی الله عنه
قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یؤذیهن فـ
قیل له قال کنت احسبها امة فامر الله تعالی ان یخالفن زی الام

ویدنین علیھن من جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا۔

پھر لکھا ہے۔

واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی ھذہ الآیۃ قال امر اللہ نساء المومنین اذا خرجن من بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤسھن بالجلابیب ویبدین عینا واحدۃ۔

پھر صفحہ ۲۲۲ میں لکھا ہے:۔

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ قال سألت ابا عبیدۃ السلمانی رضی اللہ عنہ عن قول اللہ یدنین علیھن من جلابیبھن فتقنع بملحفۃ فغطی راسہ ووجھہ واخرج احدی عینیہ۔

خطیب شربینی نے سراج منیر صفحہ ۲۵۵ میں لکھا ہے:۔

یدنین علیھن ای علی وجوھھن وجمیع ابدانھن فلا یدعن منھا شیئا مکشوفاً۔

"یدنین علیھن کا مطلب یہ ہے کہ تمام اپنے چہروں اور جسموں کو چھپا لیں اور کوئی جزو ان میں کا کھلا ہوا نہ چھوڑیں۔"

تفسیر جلالین میں ہے:۔

ای یرخین بعضھا علی الوجوہ اذا خرجن لحاجتھن "یدنین علیھن من جلابیبھن" کے معنی یہ ہیں کہ چادروں کا کچھ حصہ چہروں پر ڈال لیا کریں جب کسی ضرورت سے گھر سے نکلیں۔"

بیضاوی نے اپنی تفسیر (مطبوعہ اسلامبول ۱۳۰۵ھ صفحہ ۵۶۳) میں لکھا ہے:۔

یغطین وجوھھن وابدانھن اذا برزن لحاجۃ "اپنے چہروں اور جسموں کو چھپائیں جب کسی ضرورت سے نکلیں۔"

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسن قمی نیشاپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن (ج ۲ صد ۳۲) مطبوعہ مصر برحاشیہ تفسیر طبری میں لکھا ہے۔

معنی یدنین علیھن یرخین علیھن یقال للمراۃ اذا ازل الثواب عن وجھھا ادنی ثوبک علی وجھک ابو مسعود نے اپنی تفسیر (ج ۶ برحاشیہ تفسیر کبیر صد ۸۰۱) میں لکھا ہے :۔

ای یغطین بھا وجوھھن وابدانھن اذا برزن لداعیہ من الدواعی۔

سید محمد عثمان میر غنی مکی حسینی حنفی نے تاج التفاسیر (ج ۲ صد ۹۲ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ) میں لکھا ہے۔

یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخین علی وجوھھن وسائرا جسادھن ما یسترھن من الملاءات والثواب الساتر۔

ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر مواہب علیہ (مطبوعہ بمبئی ج ۲ صد ۱۸۲) میں لکھا ہے۔

"بوقت بیرون رفتن از خانہ نزدیک گردانند و فرو گذارند بر رو بہا و بدنہائے خویش چادر ہائے خود را یعنی وجوہ و ابدان خود را بداں بپوشانند پوشیدن سر و روے و بدن نزدیک تراست بانکہ ایشاں را بشناسند بصلاح و عفت یا متمیز شوند بآزادی۔

یہ تو مفسرین اہل سنت کے عبارات ہیں اور مفسرین شیعہ بھی اس سے متفق ہیں چنانچہ علامہ طبری نے مجمع البیان (ج ۲ صد ۵۸۱) میں لکھا ہے۔

الجلباب خمار المراۃ الذی یغطی راسھا ووجھھا اذا خرجت لحاجۃ

(جلباب سے مراد وہ لباس ہے جو عورت کے سر اور چہرہ کو چھپا لیتا ہے کسی ضرورت سے نکلنے کے وقت)

دوسری کتاب جوامع الجامع (صد ۳۹۲) میں فرماتے ہیں :۔

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن یرخین علیھن ویغطین بھا وجوھھن واعطافھن یقال اذا زل الثواب عن وجہ المراۃ

ادنی ثوبک علی وجھک (یعنی) یدنین علیھن من جلابیبھن کے معنی یہ ہیں کہ چادروں کو لٹکالیں اوراس سے چہروں کو اور تمام اطراف وجوانب کو بالکل چھپالیں۔ زبان عرب میں اس موقع پر جب کپڑا عورت کے چہرہ سے ہٹ جائے کہا جاتا ہے "اَدْنِیْ ثوبک علی وجھک" یعنی اپنے کپڑے کو چہرہ پر لٹکاؤ" پھر فرماتے ہیں کہ :۔

من جلابیبھن میں من تبعیض کا ہے ای یرخین بعض جلبابھن علی الوجہ " مطلب یہ ہے کہ کچھ حصہ چادر کا چہرہ پر ڈال لیں "

ملا حسن کاشانی نے تفسیر صافی صہ ۲۲ میں لکھا ہے

یغطین وجوھھن وابدانھن بملاحفھن اذا برزن لحاجۃ ۔

شیخ فخرالدین طریحی نجفی نے مجمع البحرین (صہ ۱) میں لکھا ہے

معنی یدنین علیھن من جلابیبھن ای یرخینھا علیھن و یغطین بہ وجوھھن واعطافھن ای اکتافھن ۔

سلطان محمد بن حیدر زخبادی خراسانی نے اپنی تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ (ج ۲ صہ ۱۷۰ اسطبوعہ طہران ۱۳۱۴ھ) میں لکھا ہے :۔

کن لا یغطین وجوھھن وساتر مواضع زینتھن بجلبابھن فامر اللہ تعہ بستر الوجوہ والصدود بالجلابیب ۔

" پہلے عورتیں عموماً اپنے چہروں اور باقی مقامات زینت کو چھپانے کا لحاظ نہ کرتی تھیں۔ اس لئے خداوند عالم نے حکم دیا کہ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چادروں سے چھپا لیا کریں "

حاج میرزا حسن ملقب بہ صفی شاہ نعمت اللٰہی نے اپنی تفسیر میں جس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی آیت کی دونوں طرح کی تفسیر کی ہے۔ پہلے نثر میں کہتے ہیں (صہ ۲۸۲) " اے پیغمبر برگزیدہ بگو مر زنان خود را و دختران خود را و زنان گروندگان کہ وقت خروج نزدیک کنند بر ایشان بر رویہا چادرہائے خود را "

پھر نظم میں کہتے ہیں (صہ ۶۶۳)

اے پیغمبر گو بانو واجت چنیں | ہم بنات ہم نساء مومنیں
اینکہ بر روئے از پئے ستر وحجاب | چادرے گیرند در وقت ذہاب
تا بپوشد سینہ ورد ہائے شاں | ساق وساعد پشت وپہلو ہائے شاں
اقرب ایں باشد بعفت پے ستیز | تا کہ بشناسند شاں اہل تمیز

ملا فتح اللہ شیرازی نے منہج الصادقین (ج ۳ صت ۶۱۹) میں لکھا ہے:۔

"یدنین نزدیک گردانند و فرو گزارند علیہن بر رو و پہلو ہائے خود جلابیبہن چادر ہائے خود را یعنی وجوہ و ابدان را بداں بپوشند ذلک آں پوشیدن سہر وروئے ادنی نزدیک تر است بانکہ ان یعرفن ایشاں را بہ شناسد بصلاح وعفت تا بہ جہت آں معترض ایشاں نہ شوند۔"

اب اس سے بڑھ کر چہرہ کو چھپانے کے بارے میں صاف حکم کیا ہو سکتا ہے؟

(تیسری آیت)

والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات بزینة وان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع علیم۔ (النور۔ ۶۰)

"وہ ازکار رفتہ عورتیں جن کے لئے اب کسی مرد کی رغبت کی توقع نہیں ہو سکتی اُن کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اپنے پردہ کے لباس کو اتار دیں لیکن اپنی زینت کو دکھاتی ہوئی بن ٹھن کر نہ پھریں اور پھر اگر عفت سے کام لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔"

یہاں آیت کی اٹھان شروع سے بتا رہی ہے کہ ایک حکم عام سے رعایتی استثناء کی صورت سے ایک اجازت دی جا رہی ہے اب دیکھئے کہ استثناء میں قیود کتنے سخت عائد کئے گئے ہیں۔ ہو سکتا تھا، کہہ دیا جاتا کہ "بوڑھی عورتیں" مگر بڑھاپے کو ایک عمر خاص پر محمول کیا جا سکتا تھا جس میں مختلف عورتوں کی حالت کا مٹی کے اعتبار سے جدا جدا ہو سکتی ہے اس لئے پہلے ہی لفظ "قواعد" کی رکھی گئی ہے۔ جو اس پیری کے درجہ کا پتہ دیتی ہے جس میں انسان بالکل معذور ہو جاتا ہے۔

قرآن اور پردہ

پھر اس کے ساتھ "معیار حکم" کا پتہ دینے کے لئے یہ قید لگا دی کہ (اللّٰتی لا یرجون نکاحًا) جس سے اندازہ ہوا کہ پردہ جس خطرہ کے احساس کی بنا پر تھا وہ خطرہ ان میں دور ہو چکا ہے۔ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ یہ اپنے کپڑوں کو اتار کر رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ان کپڑوں سے مراد وہ لباس تو قطعًا نہیں ہے جو جسم سے متصل ہوتا ہے اور جس کے ہٹنے سے انسان مادر زاد برہنہ ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام لباس کے علاوہ وہ زائد لباس ہے جو نسوانی پردہ داری کے نقطہ نظر سے برقع وغیرہ کی شکل میں اوپر سے ڈالا جاتا ہے۔ اس طرح کے لباس کو دور کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کے لئے بلاغت قرآنی نے ایک لفظ کے انتخاب سے اشارہ کیا ہے جس کو عربیت میں ڈوبے ہوئے اشخاص ہی سمجھ سکتے ہیں وہ یہ کہ ایسا لباس جو جسم سے متصل ہوتا ہے جس کے اوپر پہننا صادق آتا ہے اس کے جسم سے دور کرنے کے لئے لفظ استعمال ہوگی "نزع" کے معنی ہوں گے جسم سے اتارنا۔ قرآن نے " ینزعن ثیابھن " استعمال نہیں کیا ہے بلکہ یضعن ثیابھن یہ وہ لباس ہے جو جسم سے اس طرح کا اتصال نہیں رکھتا جس کا ہٹنا جسم سے کسی لباس کا اتارنا ہو تاکہ نزع صادق آئے بلکہ یہ وہ لباس ہے جو اٹھا کر الگ سے جسم پر ڈال لیا جاتا ہے اور اس کا دور کرنا یہ ہے کہ اس کو اٹھا کر ڈالا نہ جائے بلکہ رہنے دیا جائے۔ اسی لئے وضع کی لفظ کو استعمال کیا ہے جس کے معنی اتارنے کے نہیں بلکہ رکھنے یا رہنے دینے کے ہیں۔

قرآن میں نزع کی لفظ کا استعمال موجود ہے۔ جس سے اس کے معنی کی خصوصیت ظاہر ہوگی۔

اور وہ قصہ آدم و حوا میں تناول گندم کے بعد ہے۔ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوءاتھما "شیطان ان کے جسم سے ان کے لباس اترنے کا باعث ہو رہا تھا کہ ان کے جسم کے اجزاء جنھیں چھپانا لازم ہے ظاہر ہو جائیں۔" یہ چونکہ اس لباس سے متعلق ہے کہ جو جسم سے متصل ہوتا ہے۔ اس لئے نزع کی لفظ ہے اور وضع کی لفظ کا استعمال یوں ہے کہ:۔

ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم۔ (اعراف - ۱۵۷)

"پیغمبر ان سے ان کے بوجھے کو اتار رہا تھا اور ان زنجیروں کو جو ان کے اوپر پڑی ہوتی تھیں۔"

ظاہر ہے کہ بوجھا الگ سے ایک چیز ہوتی ہے جو جسم کے اوپر رکھی جاتی ہے۔ اس لئے اس کے اتار کر رکھ دینے کو وضع کی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اب اس کا سمجھنا آسان ہے کہ قواعد نساء کے لئے جن کپڑوں کو الگ کرنے کی اجازت دی ہے ان کے لئے نزع کی لفظ کا اطلاق کیوں نہیں ہوا اور وضع کی لفظ کا اطلاق کیوں ہوا؟ اور اس سے ثابت ہوا کہ جو قواعد من النساء نہ ہوں اور جنہیں مردوں کے خواہشات نفس کا مرکز بننے کا اندیشہ ہو ان کے لئے علاوہ اس لباس کے جو تمدنی زندگی میں جسم سے متصل ہونا ناگزیر ہے شرع کی جانب سے ایک طرح کا لباس ایسا ہونا لازم ہے۔ جو اوپر سے جسم پر ڈالا جائے۔

یضع عنه جراصر هو۔ کی مدد سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ لباس جسم پر ایک بار کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن پردہ داری کی حفاظت کے لئے ایسے لباس کا ان عورتوں کے لئے ہونا ضروری ہے۔

اقوال ائمہ معصومینؑ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیحہ محمد بن مسلم میں ہے امامؑ سے پوچھا کہ از کار رفتہ ضعیف عورتوں کے لئے کس لباس کا علیحدہ کرنا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا جلباب!

حسنہ محمد بن ابی حمزہ میں بھی یہی ہے کہ تضع الجلباب وحدہ "وہ صرف اوپر کی چادر کو اتار سکتی ہیں"

پھر اس استثناء میں بھی جو ضعیف العمر عورتوں کے لئے ہے یہ قید لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہوئی بن ٹھن کر نہ پھیریں۔ یہ وہ بڑھیاں ہو سکتی ہیں جنہیں جوان بننے کی ہوس ہے یا جنہیں بڑھاپے میں بھی شوق چراتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں حسین معلوم ہوں مگر اس کا حق انہیں نہیں دیا جاتا۔

تو پھر جوان عورت جو فطری دلکشی کی حامل ہے اس کے لئے کب شریعت اس کی اجازت دے گی کہ وہ بے پردہ مردوں کے سامنے باہر آئے۔

پھر اُن ضعیف عورتوں کے لئے بھی آخر میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ عفت سے کام لیں تو بہتر ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ نظر شرع میں خود پردہ سے نکلنا ہی عفت کے [illegible] خواہ

اس کے ساتھ کوئی بدنیتی شامل نہ ہو۔

اس سے ان نیک دل بھائیوں کو سبق ملے گا جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں نیت بخیر ہونا چاہیئے۔ پھر پردہ نہ بھی ہو تو کیا مضائقہ؟ ان کے نزدیک عفت کو صدمہ اس وقت پہنچے گا کہ جب فسق وفجور وخیانت کے عمل ارتکاب کا ارادہ پیدا ہو اور بغیر اس کے کتنی ہی بے پردہ عورت ہو وہ نیکوکار اور پارسا سمجھی جائے گی۔ مگر افسوس ہے کہ قرآن اس بارے میں ان کا ہم آواز نہیں ہے۔

حکم پردہ سے ما ظہر منہا کا استثنا

مفسرین کی پریشان خیالی اور اس کا محکم فیصلہ

وہ جو پردہ کے مخالف ہیں۔ الا ما ظہر منہا کی لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن نے کم از کم ہاتھوں اور چہرہ کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لا یبدین زینتھن اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں ؛ اس میں زینت سے مراد مقامات زینت ہیں یعنی جسم کے وہ حصے جن کی آرائش کی جاتی ہے۔ اور ان سے استثناء کیا گیا ہے الا ما ظہر منہا مگر وہ جو ان میں سے ظاہر ہوں "اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مقامات زینت کا چھپانا لازم نہیں ہے جو کہ نمایاں ہیں۔ یہ مقامات زینت کون ہیں ؟ ہاتھ اور چہرہ۔ یہی وہ اعضائے زینت ہیں جو قدرۃً نمایاں ہیں۔ ابن عباسؓ سے اس کی یہی تشریح منقول ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ الا ما ظہر منہا سے مراد سرمہ اور مہندی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا انکشاف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے نہ ہوں لہذا معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا ہونا شرعاً جائز ہے۔

یہ استدلال ہے جو مخالفین پردہ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر وہ درست نہیں ہے۔

ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیر جب تک بطریق معتبر معصومؑ تک منتہی نہ ہو حجت اور لازم العمل نہیں ہے خصوصاً جب کہ ان میں اختلاف بھی موجود ہے۔ ابن عباسؓ کی زبانی بیان کیا جاتا ہے کہ وجہ و کفین مراد ہیں۔ یا یہ کہ سرمہ و حنا مراد ہے اور ابن مسعود کا قول نظر آتا ہے کہ اس سے لباس مراد ہے۔ ایسی صورت میں ان غیر معصوم مفسروں کا اعتبار ہی کیا

تحقیق پسندی کے لحاظ سے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ خود الفاظ قرآن پر نظر ڈالی جائے اور ان سے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک تبادر ذہنی اور فہم عرفی کا تعلق ہے کوئی شک نہیں کہ زینت کے معنی آرائش کے ہیں جو ایک خارجی چیز ہے۔ اجزائے جسم ہرگز بغیر مجازی تصرف اور قرینہ خاص کے زینت میں داخل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید نے بھی زینت کا استعمال اسی معنی میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد (نماز کے موقع پر اپنی زینت اپنے ساتھ لے لو) کھلی ہوئی بات ہے کہ زینت سے مراد یہاں لباس و زیور ہی وغیرہ ہے اجزائے بدن مراد نہیں ہیں۔

خود اسی آیت پردہ کے آخر میں ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (اور اپنے پیروں کو زمین پر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت وہ چھپائے ہوئے ہیں معلوم ہو) یہاں زینت سے چھاگل، جھانجھ، پازیب وغیرہ وہ زیور ہی مراد ہیں جو پیروں میں پہنے ہوئے ہیں۔

جب کہ زینت کا مفہوم عرفی یہی ہے اور قرآن مجید کے استعمالات بھی اس کے شاہد ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ کہ لا یبدین زینتھن میں زینت سے مراد اجزائے بدن لئے جائیں بلکہ یہی سمجھنا چاہیئے کہ جو سامان آرائش جسم پر ہے اسی کے چھپانے کا حکم ہے۔ یہ سامان آرائش کیا ہوتا ہے؟ یہی زیور اور لباس، اس کی پردہ داری کا حکم ہوا ہے۔ اسی لئے کہ جسم کا کوئی حصہ کھلنے نہ پائے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ خود وہ لباس جس سے جسم اور جسم سے متصل زینت کو ڈھانکا جائے۔ مثلاً برقع یا چادر یا مقنع وہ بھی زینت کے اطلاق میں داخل ہے۔ لہذا اُسے بھی چھپانا لازم قرار پایا ہے۔ اس بنا پر استثناء کیا گیا کہ الا ما ظھر منھا یعنی جو زینت جسم کو چھپانے کے بعد قدرۃً ظاہر ہوتی ہے جیسے اوپر کا ملبوس یا سر کا مقنع یا پیر کی جرابیں یا ہاتھ کے دستانے ان کا چھپانا لازم نہیں ہے۔ خود اسی آیت کا آخری ٹکڑا کہ لیعلم ما یخفین من زینتھن اس تشریح کی صحت کا گواہ ہے کیونکہ ظہور اور خفاء متقابل صفتیں ہیں۔ پیر مار کر نہ چلیں تاکہ جو زینت چھپائے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہو۔ چھپائے ہوئے ہیں کا ہے میں لیعنی لباس کے اندر تو اب جو زینت نہیں چھپی ہوئی ہے وہ کون ہوئی؟ جو لباس کے اوپر سے نمایاں رہے یعنی لباس

کے اندر جو آرائش ہو وہ زینت مخفی ہے اور لباس کے اوپر سے جو آرائش ہو وہ زینت ظاہر ہے باطن اور ظاہر کے عربی زبان میں یہ معنی شائع و ذائع ہیں۔ چنانچہ مکان کی تعریف میں حکماء کہتے ہیں۔ السطح الباطن من الجسم الحاوی المماس للسطح الظاہر من الجسم المحوی "سطح باطن" یعنی نیچے کی سطح اور "سطح ظاہر" اوپر کی سطح۔ نہج البلاغہ میں ہے هو الظاهر فلا شیئ فوقه والباطن فلا شیئ تحته۔ یہاں بھی ظاہر سے مراد اوپر اور باطن سے مراد نیچے لیا گیا ہے۔

پھر یہ ہر صاحب عقل کو سمجھنا چاہیئے کہ جس شریعت کو پردہ میں یہ اہتمام ہو کہ پازیب یا چھاگل کی آواز کا غیر مرد تک پہنچنا پسند نہ کرے وہ عورت کے چہرہ کا جو حسن و جمال کا مظہر ہے غیر مردوں کے سامنے بے نقاب ہونا کیونکر پسند کر سکتی ہے۔ قرآنی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر چھاگل وغیرہ پہنے ہو تو پیر آہستہ رکھ کر چلے کہ آواز بلند نہ ہو اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی چھاگل کو پہننا ہی بہتر نہیں ہے جس میں آواز پیدا ہو۔ چنانچہ علی بن جعفرؑ نے اپنے برادر عالی مقدار امام موسیٰ کاظمؑ سے جو تحریری مسائل دریافت کیے تھے اور ان کا جواب حضرت نے دیا تھا اس میں ہے:۔

سألته عن الخلاخيل ايصلح لبسها للنساء قال ان كن صماء فلا باس وان كان لها صوت فلا ــــ "امامؑ سے دریافت کیا گیا کہ چھاگل اور پازیب کا پہننا عورتوں کے لئے کیسا ہے؟ حضرت نے تحریر فرمایا کہ اگر بے آواز ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر آواز دیتی ہوں تو نہیں"۔

جناب استاد علام مولانا سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے فریق مخالف کے اس خیال کو مان کر کہ زینت سے مراد اجزائے جسمانی ہیں آیت کے سیاق سے ایک نہایت محققانہ نتیجہ نکالا ہے۔ جو موصوف کی دقت نظر کا نتیجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کو دیکھو اس میں ایک دفعہ لا یبدین زینتهن کہا گیا ہے۔ یعنی عورتوں کو چاہیئے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں اور اس میں استثناء کیا گیا ہے کہ الا ما ظهر منها ــــ "مگر وہ جو ظاہر زینت ہو" اس مقام پر محرم اور نامحرم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس کے بعد وليضربن بخمرهن على جيوبهن "اپنے خماروں کو اپنے گریبانوں پر ڈالیں"۔ اس حکم کے

بعد پھر ارشاد ہوا ہے ولا یبدین زینتھن "اور چاہیے کہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں" یہاں یہ استثناء کیا گیا ہے کہ الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن یعنی "کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنی اولاد کے" وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے کہ زینت ظاہر یا مخفی۔

اس سے کہ پہلی جگہ محارم کا کوئی استثناء نہیں ہے اور دوسری جگہ محارم کا استثناء ہے تو زینت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ پہلی جگہ لا یبدین زینتھن سے مراد کسی دیکھنے والے سے پردہ نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دوسروں پر اپنے اعضائے زینت کا اظہار نہ کرے۔ ورنہ محرم اور غیر محرم کی تفریق ضروری تھی۔ بلکہ اس سے مراد اپنی جگہ پر پردہ ہے بایں معنی کہ مسلمان عورتوں کو لباس کی ایک نوعیت تعلیم کی گئی ہے کہ تم کو ایسا لباس پہننا چاہیئے جس میں اعضائے جسم چھپے رہیں اور یہاں پر اعضائے ظاہر کا استثناء کیا گیا ہے۔ جس کی تفسیر وجہ وکفین سے کی جاتی ہے۔ یعنی بس ہاتھ اور منہ کھلا رہے اور تمام اعضائے جسم ڈھکے رہیں۔

اس کے بعد پھر قرآن مجید نے اس پردہ تعلیم دینا چاہی ہے جو عورتوں کو دوسرے مردوں کی نگاہوں سے کرنا چاہیئے تو یہاں ضرورت ہوئی محارم کے استثناء کی کیونکہ ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اس مقام پر اعضاء میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے کہ کس جزو کا چھپانا واجب ہے اور کس کا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نامحرم سے پردہ میں عورت کے تمام اعضاء کو چھپا ہوا ہونا چاہیئے اور کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

یہ خیال کہ پردہ تو ہمیشہ دیکھنے والے ہی سے ہوتا ہے جب کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے وقت میں کسی طرح کے پردہ کی بھی کیا ضرورت ہے۔ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے لباس کی ایک لازمی نوعیت مقرر کی ہے جو مردوں اور عورتوں کے اعتبار سے مختلف ہے جس میں کسی دیکھنے والے کی موجودگی اور عدم موجودگی کا کوئی سوال نہیں ہے اور اس کے عملی ثبوت کا موقع ہے نماز کی حالت کہ انسان کیلئے نماز کی حالت میں جو ستر ضروری ہے۔ اس میں دیکھنے والے کی کوئی قید نہیں۔ بالکل تاریکی میں، اکیلے مکان میں، دروازوں کو ہر طرف سے بند کر کے بھی نماز پڑھنا چاہے تو ستر ضروری ہے بغیر اس کے نماز باطل ہوگی۔ یہ مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے مردوں کیلئے تو فقط اعضائے مخصوص کا چھپانا

لازم قرار دیا گیا ہے لیکن عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ سوائے چہرہ اور ہاتھوں اور اکثر علماء کے قول کے مطابق پیروں کی پشت کے اور کوئی حصہ جسم کھلا ہوا نہ ہو۔ اس میں محرم اور نامحرم کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یعنی اگر سب محرم ہوں بلکہ عورتیں ہی ہوں بلکہ وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو تب بھی حالت نماز میں اتنا پردہ عورت کیلئے لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ نظر قدرت میں عورت کیلئے اس کی یہ مقدار لازم ہے جو قطع نظر دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کے اس کے واسطے معیّن ہے جس طرح مردوں کیلئے ستر عورتیں۔

اب اس کے بعد یہ خصوصیت پیدا ہوتی ہے کہ عورتوں کو نامحرموں سے پردہ کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم مردوں کو نہیں ہے یعنی مردوں کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ تم نامحرم عورتوں سے پردہ کرو، لیکن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نامحرم مردوں سے پردہ کرو۔ اب اگر یہ پردہ انہی اعضاء کا ہوا جن کا بغیر کسی دیکھنے والے کی موجودگی کے بھی کم از کم حالت نماز میں ضروری تھا تو عورت کے لئے کوئی خصوصی امتیاز نہ ہوا۔ کیونکہ ایسے اعضاء کا جنہیں حالت نماز میں چھپانا چاہیئے مردوں کو بھی پردہ لازم ہے محرم اور غیر محرم سب سے۔ پھر اگر عورتوں کے لئے بھی نماز ہی والے اعضاء کا چھپانا لازم ہوا تو کوئی خصوصی پردہ جو نامحرم کے لحاظ سے ہو عورت کے لئے کہاں ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ علاوہ اس پردہ کے جو بجائے خود ضروری ہے جس میں وجہ و کفین عورتوں کے لئے مستثنیٰ ہیں جو نماز کے علاوہ حالتوں میں اگر صرف مستحسن یا افضل ہو تو حالت نماز میں واجب بلکہ شرط صحت ہے۔ عورتوں کے لئے ایک پردہ مخصوص نامحرموں سے لازم ہے یہ وہ ہے جسے دوسری مرتبہ لا یبدین زینتھن کہہ کے الا لبعولتھن وغیرہ کے استثناء کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں الا ما ظھر منھا استثناء نہیں ہے۔ اس لئے اگر الا ما ظھر سے مراد وجہ و کفین ہوں تب بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی کوئی جزو مستثنیٰ ہے۔

اگر ایسا ہوتا کہ نامحرم سے پردہ میں بھی وجہ و کفین مستثنیٰ ہوں تو ضرور یہ اس موقع پر مذکور ہوتا کہ جہاں عورتوں کو مردوں کے اوپر نظر کرنے سے اور مردوں کو عورتوں پر نظر کرنے سے منع کیا گیا۔ حالانکہ وہاں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا استثناء قطعاً نہیں ہے اور اسی لئے جو علماء عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو حرمت نظر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، انہیں بھی مرد کے ہاتھوں اور چہروں کو مستثنیٰ قرار دینے میں دشواری محسوس ہوئی ہے چنانچہ مقدس اردبیلیؒ نے "زبدۃ البیان" میں فرمایا ؛ ۔ ھذا ظاھر فی نھی النساء

عن النظر الی الاجانب اصلا ورا سا ویؤیدہ خبر ابن ام مکتوم المشہور۔
(یعنی) اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کو اجنبی مردوں پر نظر کرنا بالکل حرام ہے اور ابن ام مکتوم کی مشہور روایت بھی اس کی مؤید ہے۔"

فاضل ہندی نے کشف اللثام میں فرمایا ہے:۔

والحرمۃ مطلقا ھنا اقوی یہاں بالکل نظر کا حرام ہونا بہت قوت رکھتا ہے۔"

پھر جب کہ عورتوں کا مردوں پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہے اس لئے کہ آیت قرآن میں کوئی استثنا نہیں تو مردوں کے غیر عورتوں پر نظر کرنے میں چہرے اور ہاتھوں کو مستثنیٰ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ آیت قرآن میں دونوں حکموں کا تذکرہ ایک ہی طرح کے الفاظ کے ساتھ ہے اور الا ما ظھر کا استثناء جس موقع پر کیا گیا ہے وہاں غیر مردوں کا کوئی تذکرہ ہی قطعاً نہیں ہے۔

ایک دوسری توجیہ

جناب سید باقر صاحب قبلہ طاب ثراہ نے ایک اور توجیہ بھی تحریر فرمائی ہے جو مستحق توجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ممانعت ہوئی ہے ولا یبدین زینتھن اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ ظاہر کرنے کے معنی ہیں بارادہ وقصد جسم کو نامحرم کے سامنے کھولنا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ہے۔ الا ما ظھر منھا " مگر جو اعضا ظاہر ہو جائیں"۔ ظاہر ہو جائیں، سے کسی فعل ارادی کا پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پردہ داری کی کوشش کے باوجود اگر اتفاقیہ کوئی حصہ جسم کھل گیا تو گناہ نہ ہوگا۔ یہ ویسا ہے جیسے نگاہ میں پہلی نظر کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یعنی اتفاقی نظر لیکن دوسری نظر یعنی جان کر پھر دیکھنا حرام۔ ویسے ہی مثلاً عورت اتفاق سے یہ سمجھ کر کہ کوئی سامنے نہیں نقاب ہٹائے ہوئے ہے اور اتفاق سے مرد آ گیا تو نہ اس کی اس نگاہ میں گناہ اول نظرۃ والی حدیث کے مطابق اور نہ اس کے چہرہ کے کھلے ہونے میں گناہ الا ما ظھر کے مطابق۔ ہاں اگر اس کے بعد پھر وہ دیکھے تو گناہ گار (والنظرۃ الثانیۃ علیک) کی بنا پر اور اگر یہ اس جاننے کے بعد کہ نامحرم سامنے ہے پردہ نہ کرے تو یہ گناہ گار لا یبدین زینتھن کی بنا پر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ الا ما ظھر منھا کی لفظ خود بے پردگی کے عمل میں

کہ جو حرام ہے کسی فرد کو خارج نہیں کرتی بلکہ وہ بے پردگی کی ایک ایسی صورت بتاتی ہے جس سے تعلق تکلیف ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ وہ فعل اختیاری نہیں ہے۔ اصطلاحی طور پر اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ مگر اس کے نظائر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جیسے ولا تنکحوا ما نکح اٰبآؤکم من النسآء الا ما قد سلف "ان عورتوں سے کہ جن سے تمہارے باپ نے کبھی تعلقات ازدواجی قائم کئے ہیں اس طرح کے تعلقات قائم نہ کرو مگر جو پہلے ہو چکا۔" (نساء: ۲۲)

ظاہر ہے کہ یہ حکم یا ممانعت جو بھی ہو وہ اس وقت سے آئندہ کے متعلق ہوا کرتی ہے۔ ماضی اختیار ہی میں نہیں ہوتا تاکہ اس سے تعلق تکلیف ہو۔ مگر چونکہ ایک فرض شناس انسان کو آئندہ کی ممانعت کے ساتھ یہ تصور ضرور پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جو ایسا ہو چکا اس کے گناہ کو کیسے دفع کیا جا سکتا ہے تو اس لئے الا ما قد سلف ـــــ سے اطمینان دلا دیا گیا کہ پہلے جو ہو چکا وہ معاف ہے اس کا کوئی گناہ نہیں مگر اب ایسا نہ کرنا۔

اسی طرح دوسری آیت ان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف "یہ امر ناجائز ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو مگر جو ہو چکا۔" اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو ہو چکا وہ اب آئندہ کے لئے بھی جائز ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو ہو چکا وہ ہو چکا اس کی سزا تم کو نہ دی جائے گی۔

علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر عام روزمرہ میں یہ ہے کہ:۔
لا تبع من مالی الا ما بعت ولا تأکل الا ما اکلت ـــــ "دیکھو میرے مال سے اب کچھ فروخت نہ کرنا مگر جو فروخت کر چکے اور اب نہ کھانا مگر بس پہلے جو کچھ کھا چکے۔"

اس طرح کے استثناء کی نظیر قرآن میں ایک یہ ہے کہ:۔

لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولی "اہل جہنم کو جہنم میں اب موت کا مزہ چکھنے میں نہ آئے گا مگر پہلی موت کہ جس کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ وہ تو خیر چکھ ہی چکے ہیں۔" (دخان: ۵۶)

اسی طرح اس آیت میں جو محل بحث ہے لا یبدین زینتھن۔ یہ سن کر جسم

کانامحرم کے سامنے کھلنا ناجائز ہے۔ ایک فرض شناس خاتون کو یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ کبھی
اتفاقی طور پر جو نامحرم کی نگاہ پڑ جاتی ہے اس کا کیا ہوگا۔ تو کہا گیا الا ما ظہر منہا، مگر اتفاقی
طور پر جو ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔
اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اختیاری طور پر کسی جزو بدن کا ظاہر کرنا نامحرم کے سامنے
جائز ہے۔

احادیث متعلق زینت

زینت کی تفسیر میں جتنے اقوال ہیں وہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ایسے اشخاص سے منقول ہیں جو غیر معصوم ہیں اور وہ خود آپس میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک حدیث قابل لحاظ ہے جو بطریق صحیح وارد ہوئی ہے۔ وہ فضیل بن یسار النہدی کی روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے کہنیوں کے نیچے کے حصے یعنی باہوں کے متعلق دریافت کیا کہ یہ بھی اس زینت میں داخل ہے جس کے چھپا کا اس آیت میں حکم ہے کہ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن حضرت نے فرمایا۔

نعم وما دون الخمار من الزینة وما دون السوارین۔

"ہاں یہ زینت میں داخل ہیں اور خمار کے نیچے کا حصہ بھی زینت میں ہے اور کنگنوں کے نیچے کا حصہ بھی"

اس سے بعض ارباب فہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ پردہ سے مستثنیٰ ہی حالانکہ حدیث کے الفاظ سے غور کرنے کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔

جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اس پر بہت بسیط بحث فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

جہاں تک ہماری سمجھ میں آتا ہے خمار کے نیچے کے حصہ سے مراد چہرہ ہے اور کنگنوں کے نیچے کے حصہ سے مراد دونوں ہاتھ ہیں اور اس کے کہنے کی ضرورت امامؑ کو اس لئے پڑ

کہ اہل سنت میں یہ بات مشہور تھی کہ ما ظہر سے مراد آیت میں چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ اور یہ پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بظاہر سائل کے ذہن میں یہی چیز تھی جو اس نے ذراعین یعنی باہوں کے متعلق سوال کیا۔ امامؑ نے اس کی غلط فہمی کا اندازہ فرماتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دے کر یہ اضافہ فرمایا کہ باہوں کا کیا ذکر، جسے عام لوگ مستثنیٰ سمجھتے ہیں یعنی خمار کے نیچے کا چہرہ اور کنگنوں کے نیچے کے ہاتھ یہ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ عام طور سے کلام عرب میں چہرہ کے متعلق دون الخمار اور دون القناع ہی کے الفاظ صرف ہوتے جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقنع اور خمار کے نیچے ہوتا ہے چنانچہ دیوان حماسہ کے ایک شاعر کا قول ہے

فالقت قناعا دونہ الشمس واتقت

باحسن موصولین کف و معصم

(یعنی "اس حسینہ نے وہ مقنع پھینک دیا جس کے نیچے آفتاب تھا اور پردہ کیا
دونوں انتہائی حسن کے ساتھ آپس میں ملے ہوئے ہاتھ اور کلائی کے ساتھ")

یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب سے مراد چہرہ ہے اور اسے شاعر نے دون القناع (مقنع کے نیچے) کہا ہے۔ اس لئے روایت فضیل میں بھی دون الخمار (خمار کے نیچے) سے مراد چہرہ ہی لینا چاہئے اور دوسرا مصرع اس معنی کا شاہد ہے جو ہم نے دون السوارین میں قرار دیئے ہیں، کیونکہ معصم کے معنی ہیں کلائی اور سوار کے معنی ہیں کنگن۔ معصم یعنی کلائی ہی محل سوار ہوتی ہے اور شاعر کے قول سے ظاہر ہے کہ معصم سے متصل بس کفین ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں۔ اس لئے دون السوارین دونوں کنگنوں سے نیچے صرف کفین قرار پاتے ہیں اور ان ہی کو امامؑ نے فرمایا ہے کہ یہ زینت میں داخل ہیں۔

اگر ہم دون کے معنی لغوی پر غور کریں، تب بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے اس لئے کہ دون کے ایک معنی پاس اور نزدیک کے ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے کشاف میں کہا ہے معنی دون ادنی مکان من الشیئ "دون کے معنی ہیں قریب ترین جگہ کسی چیز سے" اسی اعتبار سے جمع کتب کو "تدوین" کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں بعض اجزاء کتاب بعض سے قریب رکھے جاتے ہیں اور عرب کے روزمرہ میں کہا جاتا ہے۔ دونک ھذا —

"لو یہ تمہارے پاس ہے"

خذہ من دون ذلك "اپنے پاس سے لے لو"

بیضاوی اور فخرالدین رازی اور ابوالسعود وغیرہ مفسرین نے بھی یہ معنی لکھے ہیں اور سید علی خان مدنی شارح صحیفۂ کاملہ نے بھی ان کو درج کیا ہے اور ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہی اس لفظ کے اصلی معنی ہیں۔ فیومی نے مصباح منیر میں کہا ہے:۔

ھٰذا دون ذلك کے معنی ہوتے ہیں اقرب منہ یعنی یہ اس سے بہت قریب ہے۔ اسی اعتبار سے امام موسیٰ کاظمؑ کی سجدہ کی دعا میں ہے:۔

یا من علا فلا شیئ فوقہ ویا من دنا فلا شیئ دونہ

"اے وہ خالق جو بلند ہے اتنا کہ اس سے اونچی کوئی چیز نہیں اور نزدیک ہے اتنا کہ اس سے نزدیک تر کچھ اور نہیں"

نماز عشا کی تعقیب میں ہے:۔ وانت الظاھر فلا شیئ فوقك وانت الباطن فلا شیئ دونك۔

یہاں بھی دونک کے یہی معنی ہیں کہ اے خالق تجھ سے نزدیک تر کوئی چیز نہیں۔

دوسرے معنی دون کے ہوتے ہیں نیچے جیسا کہ فیروزآبادی نے قاموس میں لکھا ہے۔ دون بالضم نقیض فوق "دون فوق یعنی اوپر کے مقابل ہے" متنبی شاعر نے کہا ہے۔

بعض البریۃ فوق بعض خالیا   فاذا حضرت فکل فوق دون

(یعنی) "لوگوں میں بجائے خود بعض بعض سے اونچے ہیں مگر جب آپ سامنے آجائیں تو ہر اونچا پھر نیچا ہے"

یہاں نیچے کے معنی میں دون ہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ابوالعلاء معرّی نے کہا ہے:۔

قنعت فخلت ان النجم دونی   وسیان التقنع والجھاد!

"جب میں نے قناعت سے کام لیا تو سمجھ لیا کہ ستارہ ثریا مجھ سے نیچے

ہے اور نتیجہ بالکل ایک ہے خواہ انسان قناعت کرے اور خواہ جد و جہد سے کام لے۔"

تیسرے معنی دون کے ہوتے ہیں کسی جگہ سے اس طرف یا اس طرف کے جیسا کہ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ نے خوارج کے بارے میں فرمایا۔ مصارعھم دون النطفۃ "ان کے قتل ہونے کی جگہ نہر کے اسی طرف ہے۔"

اور کافی میں ہے کہ جنگ نہروان کے موقع پر ایک سوار دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا یا امیر المومنینؑ "فتح مبارک ہو دشمنوں کی جماعت تمام و کمال قتل ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا من دون النھر او من خلفہ "نہر کے آگے یا اس کے پیچھے" اس نے کہا۔ بل من دونہ "نہیں بلکہ نہر کے آگے" حضرت نے فرمایا کذبت والذی فلق الحبۃ لا یعبرون ابداً "تو غلط کہتا ہے بخدا وہ نہر کے اس پار نہیں جائیں گے۔"

اس حدیث میں الفاظ کی جو ترتیب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دون "اس طرف" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور صحیفۂ کاملہ کی دعا میں ہے۔ کانت عافیتک لنا حجاباً دون ابصارھم "تیری طرف کی سلامتی اُن کی آنکھوں کے سامنے ہم پر ایک پردہ کی حیثیت سے چھائی ہوئی تھی۔"

اب دون کی لفظ کے ان معانی پر غور کیجئے اور دیکھیئے کہ ہر ایک معنی سے چہرہ کو دون الخمار کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ یقیناً چہرہ خمار کے پاس ہوتا ہے۔ خمار کے نیچے ہوتا ہے اور خمار کے پیچھے ہوتا ہے۔ لہذا جس اعتبار سے بھی دیکھیئے دون الخمار سے چہرہ ہی کو مراد لینا درست ہے اور اسی لئے کلام عرب میں چہرہ کو تحت الخمار، دون الخمار بلکہ فی الخمار کہنا بھی شائع و ذائع ہے۔ یہ اشعار اس کے قبل قرآنی آیت ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں۔ قاضی ابو علی تنوخی نے صاف کہا ہے نور الخمار ونور خدک تحتہ "خمار کی روشنی اور پھر اس کے نیچے تیرے رخسار کی روشنی۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہرہ خمار کے نیچے کہا جاتا ہے اور اب ما دون الخمار کے معنی چہرہ

کے سوا کیا ہو سکتے ہیں ؟

الفاظ حدیث پر ایک مرتبہ اور غور کیا جائے تو سمجھ میں آ سکے گا کہ اگر امام کا مقصد یہ ہوتا کہ کنگنوں سے اوپر کا حصہ جو دونوں ہاتھ کے گٹوں سے اوپر ہے وہ زینت میں داخل ہے اور چہرہ کو چھوڑ کر جو سر و گردن کا حصہ ہے وہاں سے زینت کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ تو حضرت کو واو عاطفہ درمیان میں لانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ جب سائل نے پوچھا کہ باہیں زینت میں داخل ہیں تو حضرت فرماتے نعم دون الخمار من الزینۃ وما دون السوارین " ہاں خمار کے حصہ کو چھوڑ کر اور کنگنوں کو چھوڑ کر جتنا ہے وہ سب زینت میں داخل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ کلیہ بتا رہے ہیں جس میں ذراعین یعنی دونوں باہیں بھی داخل ہو جائیں۔ اس صورت میں نعم و ما دون الخمار حرف عطف کے ساتھ کہنے کا کوئی محل نہ تھا۔ لیکن امامؑ نے اس طرح نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ نعم و ما دون الخمار من الزینۃ وما دون السوارین ہاں اور (اس کے علاوہ) وہ کہ جو خمار کے نیچے ہے وہ بھی زینت میں داخل ہے اور جو کنگنوں کے نیچے ہے وہ بھی "۔ اس "اور" کی لفظ سے ظاہر ہوتا کہ آپ کوئی ایسا کلیہ نہیں بتا رہے ہیں جس میں ذراعین بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ذراعین کے علاوہ دو اور اجزائے بدن کے پردہ کا حکم بتاتے ہیں جن کے متعلق توہم یہ ہوتا ہے کہ وہ پردہ سے خارج ہیں اور وہ چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جن کے متعلق اہل سنت نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ان کا پردہ لازم نہیں ہے تو حضرت نے اس شبہ کو رفع فرماتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ذراعین کے علاوہ چہرہ اور ہاتھوں کا بھی پردہ لازم ہے۔

احادیث متعلق پردہ

جس طرح قرآن مجید سے پورے شد و مد کے ساتھ پردہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے اسی طرح معصومینؑ کے اقوال بھی اس کی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ احادیث ہی کی بنا پر اس صنف کا نام ہی عورت ہو گیا ہے۔

لغتہً عورت اس شے کو کہتے ہیں جس کا پردہ لازم ہو چنانچہ مرد کے جسم میں وہ اجزاء جن کا چھپانا ضروری ہے اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور ستر عورتیں کہا جاتا ہے۔ مرد میں یہ بس مخصوص اجزاء جسم ہیں لیکن عورت از سرتاپا عورت قرار دی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امتیازی حیثیت سے پردہ کی مستحق ہے۔ یہ حدیثیں ایک دو نہیں بلکہ استفاضہ کی حد سے متجاوز ہیں۔

(۱) کافی میں جناب امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے۔

اتقوا اللہ فی الضعفین وانما هن عورة

"دونوں کمزور صنفوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ (ایتام اور طبقہ زناں) اور یہ صنف تو بس عورت ہے (اس کا چھپانا لازم ہے)

۲۔ امالی شیخ الطائفہ امیرالمومنینؑ کی روایت ہے جناب رسالت مآبؐ سے :۔

النساء عی وعورات فداووا عیهن بالسکوت وعوراتهن بالبیوت

"صنف نازک خاموشی کا مجسمہ اور عورت ہے۔ ان کا تدارک یہی ہے کہ انہیں خاموش رہنے دو اور ان کو گھروں کے اندر محفوظ رکھو۔

(۳) امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں ۔ لا تبدؤا النساء بالسلام ولا تدعوهن الی الطعام فان النبی قال النساء عی وعورة فاستروا عیهن بالسکوت واستروا عوراتهن بالبیوت

"عورتوں پر خود سے سلام نہ کرو اور انہیں دعوتوں میں مدعو نہ کرو اس لئے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ہمہ تن خاموشی اور عورت ہیں ان کو چپ رہنا اور گھروں میں رہنا زیبا ہے۔"

کلمات علماء مفسرین لفظ عورت کی اس تشریح پر متفق ہیں۔

فیومیؒ نے مصباح المنیر میں لکھا ہے :۔

ؔ یہ اقوال علماء کے تمام جناب سید باقر صاحب قبلہ نے اسدُ للہ غالب میں درج فرمائے ہیں۔

قیل للمرأة عورة لقبح النظر الیها وکل شئ یستره الانسان انفة وحیاء فھو عورة والنساء عورة

"انسان کے خاص اعضائے جسم کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ نظر اس کی طرف نہ چاہیئے اور ہر شے جس کو انسان حمیت وغیرت کی بنا پر پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اور اسی لئے صنف نسواں کو عورت کہا جاتا ہے۔"

فاضل ہندی صاحب کشف اللثام نے مناہج سویہ میں لکھا ہے:۔

"عورت عار سے مشتق ہے۔ اسے عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا پردہ سے باہر آنا عار و ننگ کا باعث ہوتا ہے۔"

راغب نے مفردات میں لکھا ہے:۔

العورة سوة الانسان وذلك كنایه واصلها من العار وذلك لما یلحق من ظهوره من العار ای المذمة ولذلك سمی النساء عورة ومن ذلك العوراء للكلمة القبیحة۔

عورت انسان کے مخصوص اعضا کو کہتے ہیں اور یہ نام اس کا بطور کنایہ ہے اصل میں یہ عار سے مشتق ہے چونکہ اس کا کھلنا انسان کے لئے عار یعنی ندامت کا باعث ہوتا ہے اسی لئے صنف نازک کا نام عورت ہوا اور اسی وجہ سے بری لفظ کو عوراء کہا جاتا ہے کہ اسے زبان سے ظاہر نہ ہونا چاہیئے۔

ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے:۔

ومنہ الحدیث المرأة عورة جعلها فی نفسها عورة لانها اذا ظهرت یستحیی منها كما یستحیی من العورة اذا ظهرت۔

حدیث میں ہے کہ صنف نازک عورت ہے اسے ہمہ تن عورت کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کی بے پردگی سے اسی طرح حیا و خجالت دامنگیر ہوتی ہے جیسا جسم انسان کے ان اعضا کے ظاہر ہونے سے جو عورت ہیں۔

علامہ طریحی نے مجمع البحرین میں اس کو زیادہ تشریح کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ من تتبع عورة اخيه المسلم۔

"یعنی جو اپنے برادر مسلمان کی عورت کا پیچھا کرے یعنی اس کے ان اقوال و افعال کی جستجو کرے جنہیں اللہ نے پردہ میں رکھا ہے۔ انسان کے مخصوص اعضائے جسم کو بھی عورت اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کی طرف نظر قبیح ہے اور جس شے کو انسان حمیت و غیرت کے سبب سے پردہ میں رکھے وہ عورت ہے اسی لئے حدیث میں طبقۂ نسواں کو عورت کہا گیا ہے کیوں کہ ان کی بے پردگی ویسی ہی باعث شرم ہے جیسے اپنے جسم کے لباس سے عورت کا ظاہر ہو جانا شرم کا باعث ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

اللهم استر عورتی و امن روعتی

"خداوندا میرے لئے عورت کو چھپا اور خوف سے مجھے محفوظ رکھ"

یہاں عورت سے مراد ہر ایسی چیز ہے جس کا ظاہر ہونا انسان کے لئے باعث خجالت و رنج ہو اور جس پر نظر کرنا وہ پسند نہ کرتا ہو۔

صحیفۂ کاملہ میں فقرہ ہے نا جعل ما سترت من العورة۔ اس کی شرح میں سید علی خان مدنی نے بھی یہی لکھا ہے کہ عورت ہر وہ چیز ہے جس کا پردہ سے باہر آنا باعث شرم ہے اور یہ عار سے مشتق ہے۔

اسلامی احادیث کی بنا پر اس طبقۂ نسوانی کے لئے عورت کی لفظ کا بطور لقب زبان زد خلائق ہو جانا اس طرح کہ تقریباً ہماری اردو میں تو اس صنف کے لئے کوئی دوسرا نام اس کے سوا معلوم ہی نہیں ہوتا یہ اس طبقہ کے لئے اسلامی تعلیم پردہ کی موجودگی کے ثبوت کے لئے ایک عظیم الشان تواتر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں شک و شبہ کی ذرہ بھر گنجائش نظر نہیں آتی۔

۴۔ قطب راوندی کی کتاب نوادر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت ہے اپنے آبائے کرام کے سلسلہ سے کہ رسالت مآب صلعم نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا صنف زناں

کے متعلق کہ وہ کیا ہیں سب نے کہا کہ وہ عورت ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اچھا پھر بتاؤ کہ وہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب کس طرح ہو سکتی ہیں۔ اس کا جواب لوگوں نے کچھ نہ دیا۔ جب فاطمہ زہراؑ کو خبر ہوئی تو کہا:۔

ادنی ما تکون من ربھا ان تلزم قعر بیتھا۔

"سب سے زیادہ اللہ سے تقرب کا ذریعہ اس کے لئے یہ ہے کہ پابندی سے اپنے گھر کے اندر رہے۔"

حضرت یہ جواب سن کر خوش ہو گئے اور فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی

"کیوں نہ ہو فاطمہؑ میرا ایک ٹکڑا ہے۔"

اس کے علاوہ کچھ احادیث ہیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھنا چاہیئے جیسے امیرالمومنینؑ کی وصیت اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے نہج البلاغہ باب الکتب میں مذکور ہے اور جسے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مکمل دستورالعمل کی حیثیت حاصل ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے۔

فاکفف علیھن من ابصارھن بحجابک لھن فان شدۃ الحجاب ابقی علیھن ولیس خروجھن باشد من دخالک من لا یوثوبہ علیھن وان استطعت ان لا یعرفن غیرک فافعل۔

"عورتوں کو بچائے رکھو اس بات سے کہ ان پر نظر پڑے پردہ میں رکھنے کے ساتھ ان کو کیوں کہ پردہ میں سختی ہونا ان کے لئے باعث بہتری ہی ہے اور ان کے گھروں میں آنے دینا جن پر تمہیں بھروسہ نہیں ہے اور اگر ایسا کر سکو کہ تمہاری عورتیں تمہارے سوا کسی کو پہچانتی ہی نہ ہوں تو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔"

صدوق رحمہ اللہ نے اس وصیت کو محمد بن حنفیہ کے نام بتایا ہے، کافی میں اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

واغضض بصرھا بسترک واکففھا بحجابک

"پردہ داری کے ذریعہ سے ان کی نگاہوں کو دوسروں پر پڑنے سے روکو

اور دوسروں کی نگاہوں سے اُن کو بچاؤ۔"

اسی پردہ داری کی بنا پر عورتوں کو عام مجمعوں میں جانے کی اجازت دینے سے مردوں کو سزائے اخروی کا مستوجب قرار دیا گیا ہے چنانچہ کافی کی روایت ہے جسے بحار و وسائل میں بھی درج کیا ہے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا :۔

من اطاع امرأة اكبه الله على وجهه فی النار

"جو عورت کا کہنا مانے اللہ اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔"

پوچھا گیا یہ اطاعت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا۔

تطلب اليه الذهاب الى الحمامات والعرسات والعيدات والنائحات والثياب الرقاق فيجيبها۔

"وہ مرد سے خواہش کرے حماموں میں، شادیوں کی عام محفلوں میں، عید گاہوں میں جانے اور باریک کپڑوں کے پہننے کی اور یہ اس کی خواہش کو منظور کرے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ من اطاع امرأة فی اربعة اشياء اكبه الله على منخريه فی النار۔

"جو عورت کا کہنا مانے چار باتوں میں اسے اللہ منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔"

ایسی ہی حدیث ثواب الاعمال میں بھی درج ہے۔

اس پردہ داری کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ زر خرید غلاموں تک کے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی گئی اور خواجہ سراؤں تک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔

اور آخر زمانہ یعنی قیامت کے قریب کے علامات میں بے پردگی کی ترقی کی پیشین گوئی کی گئی جس سے صاف یہ پتہ چلا کہ پسندیدہ اسلام پردہ داری کی ترقی ہے۔ چنانچہ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی طاب ثراہ نے من لایحضرہ میں اصبغ بن نباتہ کی زبانی روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا :۔

يظهر فی اخر الزمان واقتراب الساعة وهو شر الازمنة نسوة كاشفات عاريات متبرجات خارجات من الدين داخلات

فی الفتنن ما ئلات الی الشھوات مرعات الی اللذات محلات للمحرمات فی جھنم خالدات ۔

"آخری دور زمانہ اور قیامت کے نزدیک اوقات میں جو بدترین زمانہ ہوگا۔ عورتیں پیدا ہوں گی بے پردہ برہنہ بن ٹھن کر نکلنے والی دین سے خارج ہنگاموں میں حصہ لینے والی اور نفسانی خواہشوں کی طرف رغبت رکھنے والی وہ آتش جہنم میں ہمیشہ جلنے کی مستحق ہوں گی۔"

ظاہر ہے کہ متبرجات یعنی بن ٹھن کر اور آراستہ ہو کر نکلنے کے ساتھ عاریات کے معنی بالکل برہنہ کے سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اس سے مراد وہی نیم برہنگی ہے جو آج تمدن جدید کا طرۂ امتیاز ہے جس میں اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مزید ترقی کے امکانات ہیں۔

ان احادیث سے صاف شرع کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ جب کہ اسلام کے قبل پردہ کا وجود کم ازکم مالدار، کم ازکم شرفاء، کم ازکم بڑے گھرانوں میں ثابت ہو چکا ہے تو اسلام جو کہ اصلاح خلق کا علمبردار ہو کر آیا ہے۔ اگر پردہ کو ناپسند کرتا ہوتا تو پردہ کی مخالفت میں آواز بلند کرتا اور اس کے نزدیک بدترین زمانہ کا معیار یہ ہوتا کہ جب مردوں کا تشدد عورتوں پر بڑھ جائے اور عورتوں کو گھروں میں مقفل کر کے رکھا جائے تو وہ بدترین زمانہ ہوگا مگر اس کے برعکس اسلام بدترین زمانہ کا معیار عورتوں کی آزادی، بے پردگی اور مطلق العنانی کو قرار دیتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس رسم پردہ کی جو کہ ایک طبقہ میں پہلے سے قائم مخالفت کا حامی نہیں ہے بلکہ اس کی مزید ہمت افزائی کر کے اس کے خلاف امکانات کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور یہ اسلام کی جانب سے پردہ کی حمایت کی قطعی دلیل ہے۔

خاندانِ رسولؐ کا اُسوۂ حسنہ

اور

مُسلمانوں کا عمل در آمد

یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی انفرادی اور اجتماعی منزلی اور مدنی تعلیمات کا مثالی معیار رسولؐ و آل رسولؐ کا اسوۂ حسنہ ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بطور مثال پیش بھی کیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ)۔

اور بحیثیت معلم پیغمبرؐ کی بلندی کا جوہر یہ تھا کہ جن اصول پر اپنی تعلیم کی بنیاد قائم رکھنا تھی۔ اور جن کی طرف دوسروں کو دعوت دینا تھی خود مقام عمل میں اس اصول کے پابند تھے اور اس طرح پیغمبرؐ اور ان کے گھرانے کے عمل سے اس نقطہ نظر کا بآسانی پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ جو اسلام کے پیش نظر ہے۔

اگر یہ خیال صحیح ہوتا کہ اسلام عورتوں کو آزادی بایں معنی دینا چاہتا ہے کہ پردہ کی پابندیوں سے وہ باہر لائی جائیں تو چاہیئے تھا کہ اس کا عملی اقدام خود رسولؐ کی جانب سے ہوتا، نہ سہی ایک دم۔ اگر حالات اس کی اجازت نہ دیتے تو کم از کم بہ نسبت عام رواج کے وہاں خفت اختیار کی جاتی۔ جیسے غلامی یک لخت ختم نہیں کی جاسکی تھی۔ تو اس کے لئے آزادی کی ترغیب میں اہتمام اور ذرا سے بہانہ پر غلاموں کے آزاد کرنے پر عمل اور غلامی کی حالت میں ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کی پابندی اور وصیت ایسی چیزیں ہیں جو صاف ایسے رجحان کا پتہ دے رہی ہیں کہ اسلام کی اصلی مطمحِ نظر کیا ہے۔

پھر اسی طرح اگر پردہ کو ختم بھی نہ کیا ہوتا تو اس کے متفرق تعلیمات اور عملی مثالوں میں وہ روح ضرور مضمر ملتی جو اس کی گرفت کے ڈھیلا کرنے کا اشارہ کرتی رہتی لیکن اس کے برخلاف اگر ہم یہ دیکھیں کہ جتنا عوام کو پردہ کا حکم دیا گیا ہے اُس سے زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ اس کی پابندی خاندان رسالت میں کی جا رہی ہے اور جتنی اہمیت یہاں عمل میں لا کر اپنے طریقہ اور اصول زندگی سے پیش کی جا رہی ہے تو اس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اسلام کا نصب العین کسی وقت اور کسی حال میں بھی پردہ کا ختم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ باعتبار ضرورت وحالات اس میں اضافہ ہی اسلام کی بنیادی روح تعلیم کے مطابق ہے۔

تاریخ اور حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ زمانہ پیغمبرؐ میں پردہ بحیثیت قانون کے عملی طور پر جاری ہو گیا تھا اور محرم اور نامحرم کی تفریق کے ساتھ عمومی طور پر حجاب مسلمان عورتوں کے نظام زندگی کا جزو بنا دیا گیا تھا۔ بلکہ پردہ کی اہمیت ایسی تھی کہ مشتبہ صورتوں میں اگرچہ ظاہر شرع میں میراث دلوادی گئی مگر محرم قرار دے کر سامنے آنے جانے کی اجازت نہیں دی۔ ملاحظہ ہو زینب اسدیہ کی روایت جب انھوں نے رسول اللہ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک کنیز چھوڑی جس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کنیز کے چال چلن کو ہمیشہ ہم لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ لایا گیا۔ حضرت نے اسے دیکھا اور فرمایا میراث میں اسے حصہ تو دے دیا جائے مگر تم اس سے پردہ کرنا۔

(استیعاب مطبوعہ حیدرآباد ج ۲ ص ۷۵۶)

رسولؐ کے گھر کے لئے اس بارے میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ آپ کے ازواج کے لئے عمومی طور پر پردہ کے احکام کے علاوہ خصوصی احکام بھی تھے اور قرآن کریم نے عمومی طور سے ان کے لئے حجاب کا قانون نافذ کیا۔

واذا سألتموهن متاعاً فسئلوهن من وراء حجاب ذلكم اطهر لقلوبكم و قلوبهن۔ (احزاب - ۵۳)

(جب ازواج پیغمبرؐ سے تمہیں کچھ مانگنا ہوا کرے تو ان سے پردہ کے

پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ بہتر ہے۔"

طبری رحمہ اللہ جامع الجامع میں فرماتے ہیں کہ اس حکم میں اتنی ہمہ گیر عمومیت تھی کہ باپ، بھائی اور اقارب تک کو خیال پیدا ہوا کہ ہمیں بھی پس پردہ سے گفتگو کرنا ضروری ہے اور رسالت مآبؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آیت اتری۔

لاجناح علیھن فی ابآئھن ولا ابنائھن ولا اخوانھن ولا ابناء اخوانھن ولا ابناء اخواتھن ولانسائھن ولا ماملکت ایمانھن واتقین اللہ ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا۔ (احزاب - ۵۵)

"ان کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں اور مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے بارے میں۔ ہاں تقویٰ کو اپنا شعار رکھیں اللہ ہر بات سے واقف ہے۔"

اس آیت میں محارم کا تذکرہ کیا گیا اور اس کے بعد سب کو اطمینان ہوا۔

ازواج رسولؐ عملاً اس قانون کی پابند تھیں۔ اس کے شواہد و نظائر تاریخوں میں بکثرت ہیں۔

عائشہ ام المومنین کی روایت ہے (ایک واقعہ کے بیان میں)

انی لفی بیت رسول اللہ واصحابہ بالفناء و بینی و بینھم الستر فاقبل ابوبکر۔

میں حضرت رسولؐ کے گھر میں تھی اور آپ کے اصحاب صحن خانہ میں تھے اور میرے اور ان کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا اس دوران میں ابوبکر وارد ہوئے۔

(استیعاب ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد ص ۲۴۱)

دوسری روایت جو صحیح بخاری میں بھی ہے انہی ام المومنین کی زبانی کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ (برادر ام المومنین سودہ) کے درمیان ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ سعد نے کہا یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ

وہ میرے نطفہ سے ہے اور اس کی صورت دیکھ لیجئے اسی سے مشابہ ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے اس لئے کہ اس کی ماں میرے باپ کی زوجیت میں تھی۔

حضرت نے اسے دیکھا تو صاف صاف عتبہ سے مشابہ نظر آیا۔ پھر بھی آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ اپنے ساتھ لے جائیے۔ کیونکہ الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ یعنی "لڑکے کو اسی کا سمجھا جانا چاہیئے جو اس عورت کا شوہر ہو اور زانی کا کوئی حق نہیں ہے" مگر سودہ بنت زمعہ کو حکم دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔ اس کے بعد سے کبھی اس نے سودہ کو نہیں دیکھا۔

(اللمعات الفریدہ مطبوعہ بغداد صـ۹۰)

زہری کی روایت ہے کہ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے اسیر ہو کر آئیں تو حضرتؐ نے انہیں اپنی زوجیت میں داخل فرمایا اور پردہ کا حکم دیا۔

استیعاب ج ۲ صـ۷۲۲

اصول کافی میں جناب امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ ابن ام مکتوم جو نابینا تھے رسولؐ کے بیت الشرف میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کے پاس عائشہ اور حفصہ دو بی بیاں حاضر تھیں۔ حضرت نے فرمایا جاؤ کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔ بی بیوں نے کہا وہ تو نابینا ہے۔ حضرت نے فرمایا وہ تمہیں نہیں دیکھ سکتا تم تو اُسے دیکھ سکو گی۔

مکارم الاخلاق طبرسی کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اور میمونہ دونوں بی بیاں تھیں۔ حضرت نے فرمایا پردہ میں چلی جاؤ۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو اندھے ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت نے فرمایا تم تو اندھی نہیں ہو تم تو دیکھو گی۔

کتب حدیث میں آپ کو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ملے گی کہ:-

احسنکم خیرکم لنسائہ وانا خیرکم لنسائہ

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہے اور میں اپنی ازواج کے ساتھ تم سب سے زیادہ

اچھا سلوک کرنے والا شخص ہوں گا
اس کے بعد اگر پردہ ظلم ہوتا یا توہین و تذلیل تو کبھی رسول اپنے ازواج کے لئے اسے پسند نہ فرماتے۔

اسی بنا پر طبقۂ خواتین کے لئے رسولؐ کے تعلیمات کی مکمل آئینہ دار حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت پردہ کے بارے میں ایک مکمل ترین معیاری درجہ رکھتی تھی آپ کا قول تھا کہ عورت کے لئے بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے اور نہ اس کی کسی غیر مرد پر نگاہ پڑے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں یہ چیز مسلمات سے ہو گئی تھی کہ عورت کا نظام تمدن مرد سے جدا ہے اور وہ پردہ کی پابندیوں کی وجہ سے ان بہت سے فرائض اسلامی اور عبادات تک میں شریک نہیں ہو سکتی۔ جن کے لئے گھر سے باہر آنے کی ضرورت ہے۔

اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جب حج کے بعد جماعت انصار کی ایک محترم خاتون اسماء بنت یزید بن سکن پیغمبرؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ مجھے مسلمان عورتوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور جو کچھ میں کہتی ہوں وہ ان سب کی تقریر اور ان کی رائے ہے۔ اللہ نے آپ کو مرد اور عورت سب کی طرف مبعوث کیا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا مگر ہم عورتیں پردے میں گرفتار گھروں کی بیٹھنے والیاں، مردوں کی خواہشوں کی پابند اور ان کے بچوں کے بار کو برداشت کرنے کی ذمہ دار ہیں اور مردوں کو نماز جمعہ و جماعت، تشییع جنازہ۔ جہاد وغیرہ کے ثواب حاصل کرنے کے مواقع ہیں اور جب وہ جہاد کو جاتے ہیں تو ان کے اموال کی حفاظت اور اولاد کی تربیت ہم کرتی ہیں۔ اس صورت میں ہمیں آپ سے یا رسول اللہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اجر و ثواب میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا مرد ہی سب ثواب کے حق دار ہیں۔

رسالت مآبؐ نے یہ تقریر سن کر اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا تم نے کبھی کسی عورت کی گفتگو سنی ہے جس نے اپنے دینی فرائض کے متعلق اس سے بہتر سوال کیا ہو۔ اصحاب نے کہا بخدا یا رسول اللہ اس میں شک نہیں۔

اب رسولؐ اس خاتون کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا۔ جاؤ اے اسماء اور اپنی پوری جماعت کو اطلاع دے دو کہ تم میں سے ایک عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ اچھے عنوان سے نباہ کرنا اور اس کی رضامندی کی کوشش کرتے رہنا اور اس کی اطاعت کرنا ثواب میں ان تمام عبادتوں کا قائم مقام ہے جن کا مردوں کے لئے تم نے ذکر کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ عورت واپس ہوئی اس طرح کہ تکبیر و تہلیل کرتی جارہی تھی اور جوش مسرت کا اظہار کررہی تھی۔

(استیعاب ج ۲ ص۷۲۶)

اپنے ذاتی خیالات کو علیحدہ رکھ کر صبر و سکون کے ساتھ اس گفتگو پر غور کیجئے تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ اگر تمدن اسلامی میں کوئی بھی گنجائش ہوتی عورت کو پردہ سے باہر لانے اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبۂ حیات میں حصہ لینے کی تو رسولؐ کو اس کے جواب میں ان امکانات کی طرف ضرور اشارہ فرمانا چاہیئے تھا۔

اس کے برخلاف اس نے مرد اور عورت کے نظام تمدن کے بالکل مختلف ہونے اور طبقہ خواتین کی آئینی و اصولی مجبوریوں کا جو خاکہ کھینچا تھا اس میں آپ نے اس کی سمجھ کی تعریف فرمائی اور ان تمام مجبوریوں کو ایک طرح تسلیم کرلیا اور اس پر مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ بے شک عورتیں پردہ کی مجبوری کی وجہ سے نماز جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوسکتیں، تشیع جنازہ کی فضیلت کو حاصل نہیں کرسکتیں اور جہاد کے مراتب پر فائز نہیں ہوسکتیں، ہاں اس کے ساتھ آپ نے اسے یہ کہہ کر تسکین دی کہ عورتوں کا اپنے نظام تمدن کا پابند رہنا ہی درحقیقت ان کا جہاد ہے اور اس سے ان کو وہی اجر و ثواب مل جائے گا جو مردوں کو اپنی قسم کے جہاد سے ملتا ہے۔

اس کے بعد تو کوئی موقع نہیں یہ کہنے کا کہ اسلام میں پردہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یا وہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو میدان عمل میں لانے کا حامی ہے۔

زن اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کی حرمت صحابہ رسولؐ میں اتنی مسلم ہوگئی تھی کہ اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرتا تو اس پر اعتراض کیا جاتا اور اسے اپنے طرز عمل کی تاویل پیش کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ سہل بن ابی خثمہ کا بیان ہے کہ میں محمد بن مسلمہ کے پاس بیٹھا تھا اس اثنا میں ال

کے ایک ہمسایہ مکان سے شبیتہ بنت ضحاک برآمد ہوئی۔ وہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے تو میں نے کہا ماشاءاللہ تم صحابی رسولؐ ہو کر ایسا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا میں پیغمبرؐ کا یہ ارشاد سن چکا ہوں کہ اگر دل میں کسی کی خواستگاری کا سوال پیدا ہو تو اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(استیعاب ج ۲ صہ ۱۳۱)

رسولؐ کے بعد خواتین اسلام میں اور بالخصوص خاندان رسولؐ کی خواتین میں یہ تعلیم قرآن جلباب یعنی سر سے پاؤں تک کے برقع کا رواج ہو گیا تھا جس سے چہرہ بھی بالکل چھپا ہوا رہتا تھا اور کسی ایک حصہ جسم پر بھی کسی کی نظر پڑنا ممکن نہ تھی اس کے شواہد جستہ جستہ تاریخ اسلامی کے واقعات میں موجود ملتے ہیں۔ مثلاً اس وقت جب امیر المومنینؑ جنگ جمل کے لئے تشریف لئے جا رہے تھے اور منزل ذی قار میں اترے تو ام المومنین عائشہؓ نے بصرہ سے حفصہ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں اپنی فوجی طاقت و قوت اور معاذ اللہ جناب امیرؑ کے مرعوب و خائف ہونے کا ذکر تھا حفصہ نے اس پر ایک جشن مسرت کیا۔ مدینہ کی عورتیں آ رہی تھیں اور خوشیاں کی جا رہی تھیں۔ یہ واقعہ حضرت ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا۔ فلبست جلا بیبها ودخلت علیهن فی نسوة متکفرات ثم اسفرت عن وجهها فلما عرفتها حفصة خجلت واسترجعت۔

جناب ام کلثوم نے برقع و چادر میں اپنے کو نہاں کیا اور کچھ عورتوں کے حلقہ میں حفصہ کے مکان پر پہنچ کر برقع چہرہ سے ہٹایا جب حفصہ نے پہچانا تو وہ شرمندہ ہوئیں اور آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس خط کو چاک کر ڈالا۔ (الدرجات الرفیعہ سید علی خان مدنی)

یہ ۳۶ھ کا تذکرہ ہے۔ ۶۱ھ میں کربلا کا عظیم الشان واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ نے جس طرح تمام اسلامی تعلیمات کی اہمیت دنیا کو سمجھائی اسی طرح پردہ کے اصول اور عورتوں کے اسلامی نظام تمدن کی وہ مستحکم بنیاد قائم کر دی جسے شکوک و توہمات کی آندھیاں متزلزل نہیں کر سکتیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کربلا میں حق و باطل کی جنگ تھی۔ نصرتِ دین کا سوال تھا اور دشمنان اسلام کا مقابلہ تھا کوئی شک نہیں کہ حمایتِ حق اور نصرتِ دین جس طرح مردوں کا فریضہ ہے

اسی طرح عورتوں کا فریضہ ہے۔ مگر طریقہ کار اس کا دونوں کے لئے یکساں ہونا چاہیئے یا مختلف؟

موجودہ تمدن جو عورتوں کو پردہ وغیرہ کی پابندیوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہونا چاہیئے کہ طریق کار دونوں کا ایک ہے۔ جس صورت سے مرد نصرت حق کے لئے میدان میں آتا ہے اسی طرح عورت کو بھی آنا چاہیئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مردوں کی تعداد اتنی نہ ہو کہ وہ ظالم کی مادی قوت کا خاتمہ کرسکیں اور خصوصاً اس حالت میں کہ جب مرد اپنا کام انجام دے کر گزر چکے ہوں اور اب سوائے عورتوں کے کوئی باقی نہ ہو۔ ایسی حالت میں تو مرد و عورت کے درمیان کوئی خط فاصل کھینچنا موجودہ خیالات کے لحاظ سے صحیح ہی نہ ہوگا۔ مگر یہ ایک حقیقت ثابتہ اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جو اپنے وقت میں اسلامی اقدار کے تحفظ کے واحد ذمہ دار تھے کربلا کے میدان میں پردہ اور مخصوص نسوانی نظام تمدن کی وہ اہمیت ثابت کی ہے جو اس کے پہلے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی۔

آپ دیکھئے تو کہ ایک طرف کم از کم تیس ہزار کا لشکر اور ایک طرف زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو کے قریب مجاہدین جن میں ضعیف العمر بوڑھے بھی اور صغیر السن بچے بھی داخل۔ بوڑھے جہاد بالسیف سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ قاسم کے ایسے نابالغ بچے مستثنیٰ نہیں رہے مگر عورتیں جہاد بالسیف سے اس سخت وقت پر بھی مستثنیٰ رکھی گئیں۔ کوئی بہادر عورت جیسے ام وہب زوجہ عبداللہ بن عمیر عمود لے کر میدان میں بھی آگئی تو امام حسین علیہ السلام نے یہی کہہ کے واپس فرمایا کہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت زینب الکبریٰ اور ام کلثوم میں جرأت و شجاعت کا جوہر ام وہب سے کم تھا مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسا نہیں بتاتی کہ ان میں سے کسی مقدس خاتون نے اس طرح کا اقدام کیا ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ نظام اسلامی جو عورت کے لئے ہے وہ ان کے دل و دماغ میں راسخ تھا۔ یہ ایسا ارادہ کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ زینبؑ و ام کلثوم کا کیا ذکر جو رسول کے گھرانے کی بیٹیاں تھیں۔ ام لیلیٰ رباب اور مادر قاسم ایسی خواتین نے بھی جو صرف اس خاندان کے ساتھ بہو ہونے کا رشتہ رکھتی تھیں قدم آگے نہیں بڑھایا اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ معاذ اللہ ان کے دل میں نصرت اسلام کا ولولہ جوش نہ تھا۔ ضرور تھا۔ مگر یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے لئے اسلامی نظام تمدن میں ایسا کرنا روا نہیں ہے۔

بڑے سخت مواقع تھے وہ جب کوئی گرِبل جوان میدان میں مصروفِ جہاد ہے، کوئی کم سن بچہ معرکۂ قربانی میں حقِ وفا ادا کر رہا ہے، کوئی جان سے زیادہ عزیز بھائی زغہ میں گھرا ہوا ہے اور اس وقت مامتا رکھنے والی ماں، اور دل و جان سے فدا ہونے والی بہن پردہ کی پابندی کے ساتھ خیمہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے مگر واقعہ یہی تھا۔

یاد کیجیے وہ سخت ترین موقع کہ جب تمام عزیز و انصار شہید ہو چکے تھے۔ اکیلے امامؑ زغہ اعدا میں گھرے ہوئے زخموں سے چور اور آخر میں بھالے لپٹے۔ تہ فرش کے زمینِ گرم پر افتادہ تھے اور دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے سر کو قلم کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے۔

کیا اگر اس وقت خاندان بنی ہاشم کی تمام خواتین تلواریں لے کر فوجِ دشمن پر ٹوٹ پڑتیں اور امام حسینؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیتیں تو سرِ حسینؑ آسانی سے قلم ہو جاتا؟

کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت کربلا کی تاریخ کس صورت پر لکھی گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟

کیا زینبؑ و ام کلثومؑ کی رگ و پے میں وہی خون گردش نہیں کر رہا تھا جو ابو الفضل العباسؑ بلکہ خود حسینؑ کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔

کیا حضرت علی بن ابی طالبؑ کی شجاعت و جرأت میں بیٹیوں کا کچھ بھی حصہ نہیں تھا۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے۔

مگر کیا تھا؟ وہی جان، بھائی اور اولاد سب سے زیادہ عزیز اصولِ اسلام کا لحاظ جو زنجیر بن کر ان کے درد رسیدہ بے کس بی بیوں کو آخر تک جکڑے رہا۔

سب کچھ ہو گیا مگر وہ اسی جگہ بیٹھی رہیں کہ جہاں حضرت امام حسینؑ بٹھا گئے تھے۔ اس وقت تک کہ جب تک وہ جگہ یعنی خیمے باقی رہے۔ ہاں جب خیموں میں آگ کے شعلے بلند تھے اور ظالموں کے ہاتھ سروں کی چادروں ہی کو نشانۂ ظلم بنائے ہوئے تھے تو ناموس اسلام کو عملی طور پر حل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس میں ان کے قدم پیچھے نہیں رہے۔

اب اس وقت انہیں بھائی بیٹوں اور عزیزوں کے تمام داغوں سے بڑھ کر داغ جو تھا وہ بے پردگی کا داغ تھا اور جب درد دل کے اظہار کا وقت آیا تو تمام مصائب میں

شدت و قوت کے ساتھ اس مصیبت کا اظہار کیا گیا۔ اس موقع پر جب ثانی زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دربار میں خطبہ پڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ یادگار زمانہ الفاظ تاریخی دنیا میں پردہ کی اہمیت کا ابدی ثبوت بن کر آپ کی زبان پر آ رہے تھے۔

امن العدل یا ابن الطلقاء تخدیرك حرائرك وامائك وسوقك بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ سبایا قد هتکت ستورهن وابدیت وجوهن یتصفح وجوههن القریب والبعید والدنی والشریف۔

"کیا یہی انصاف ہے کہ تم نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردہ میں بٹھا رکھا ہے اور دختران پیغمبرؐ خدا کو قید کر کے بے پردہ پھرایا اور چہروں کو بے نقاب کیا ہے غضب ہے کہ نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند ہر طرح کے آدمی ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ثانی زہرا حضرت زینب کبریٰؑ اپنی سب سے بڑی مصیبت اس بے پردگی کو سمجھتی تھیں اور اس کا خصوصی طور پر آپ نے تذکرہ فرمایا۔

آل رسولؐ کے اس اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ پردہ کا قانون تمام مسلمانوں میں مسلم رہا اور بعد کی صدیوں میں برابر اس پر عمل ہوتا رہا۔

چوتھی صدی ہجری تک میں پردہ نہ صرف غریب اور متوسط طبقہ میں رائج تھا جو عموماً مذہب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں بلکہ امرا و اہل دولت میں بھی اس کا رواج عام تھا اور وہ معیارِ شرافت سمجھا جاتا تھا۔

اس کا پتہ ابوالفراس حمدانی کے اشعار سے چلتا ہے۔ جو خود خاندان ملوک سے اور اس وقت کے بلند طبقہ کے تمدنی رجحانات کا ترجمان ہے۔

وہ کبھی یوں کہتا ہے:۔

وما انس لا انس یوم المغار   محجبة لفظتہ الحجب

"مجھے وہ دن نہیں بھولتا جب ہنگامہ جنگ میں پردہ دار عورت کو پردہ

سے باہر نکلنا پڑا "

کبھی اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے یوں کہا:۔

نوحی علی بحسرة — ! ! من خلف متری والحجاب

"مجھ پر حسرت واندوہ کے ساتھ اپنے پردہ وحجاب کے پیچھے بیٹھ کر ہی نوحہ کرتی رہنا "

کبھی محل تشبیب میں بلند نسوانی تمدن کی تصویر کشی یوں کی ہے ۔

وادیة اختر تها عربیة تعذی الی الجد الکریم الاکرم

محجوبة لم تبتذل امارة لم تأتم محذ ومة لم تخدم

"وہ مہذب اور تربیت یافتہ عربی خاتون مجھے پسند ہے جو بزرگ مرتبہ باپ دادا کی طرف نسبت رکھتی ہے پردہ دار ایسی کہ جو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی حکمرانی کرنے والی جو کسی کی محکوم نہیں، نہ دوسروں سے خدمت لینے والی جسے خود خدمت کرنا نہیں پڑی "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ میں رہنا اس وقت عورت کی ذلت نہیں بلکہ عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا "

چھٹی صدی ہجری میں شاہان روزگار کی عورتیں اور ملکۂ آفاق بننے والی خواتین تک سختی سے پردہ کی پابند تھیں ۔

ابن جبیر نے سفرنامہ میں اپنے سفر حج کا تذکرہ کرتے ہوئے سلجوقہ نامی ایک شہزادی کا حال لکھا ہے ۔ جس کے باپ عزالدین مسعود کے حدود مملکت اس وقت کی چار مہینہ کی راہ کے رقبہ میں تھے اور جسے بادشاہ قسطنطنیہ جزیہ ادا کرتا تھا ۔ وہ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی جس پر طلاکار پردے آویزاں تھے ۔ اور ہودج کے آگے اور پیچھے دروازے کھلے ہوئے تھے ۔

دہی ظاهرة فی وسط متنقبة وعصابة ذهب علی راسها:

"وہ اس ہودج کے بیچ میں بیٹھی ہوئی سب کو نظر آتی تھی مگر چہرہ پر نقاب

پابندِ مذہب مسلمان ہمیشہ اس کے پابند رہے ہیں۔

پردہ کی چوتھی قسم

یہی بظاہر سب سے موزوں جگہ ہے کہ یہاں پردہ کی چوتھی قسم یعنی چار دیواری کے پردہ کے متعلق ایک واضح تبصرہ کر دیا جائے۔

اس کی تشریح کی جا چکی ہے کہ اس پردہ سے مراد ہے ایک ایسا حاجب و حائل جس کی وجہ سے نہ صرف جسم کا رنگ اور سطح نگاہ سے مخفی ہو بلکہ شکل و مقدار کا بھی اندازہ نہ ہو سکے۔ یعنی یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ عورت لانبی ہے یا ٹھنگنی موٹی ہے یا ڈبلی۔ سڈول جسم رکھتی ہے یا ناہموار بلکہ بسا اوقات پردہ ہی نظر آئے یہ بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے اندر کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اس میں چار دیواری کے علاوہ ڈولی فینس اور چھپلے کا پردہ یا پردہ دار گاڑی وغیرہ بھی داخل ہے اس پردہ کی پابندی صرف ہمارے ہندوستان کے صوبۂ یو۔پی کے شہروں میں شرفاء کے طبقہ کے اندر ہے۔ تمام عالم اسلامی عراق و حجاز و ایران اور یو۔پی میں بھی دیہاتوں کے اندر اکثر و بیشتر اور شہروں میں غیر شرفاء کے مسلمان طبقوں میں اس کا رواج اس وقت بھی نہیں رہا جب کہ مذہب کی پابندی زوروں پر تھی اب کا ذکر نہیں ہے جب کہ یو۔پی کیا لکھنؤ کے عام شرفا کیسے بعض معزز سادات کے گھرانے کی عورتیں تک پردہ کو بالکل خیر باد کہہ کے آزاد ہو چکی ہیں اور بیگم کے بجائے لیڈی کہلانا باعث اعزاز سمجھ رہی ہیں۔ موجودہ پردہ کے مذہبی دنیا میں عام طور سے رائج نہ ہونے اور صرف اس محدود حلقہ میں رائج ہونے کی بنا پر بسا اوقات اسے غیر شرعی پردہ کہا جاتا ہے اور شرعی پردہ سے مراد لیا جاتا ہے وہ تیسری قسم کا پردہ جو صرف برقع یا چادر اور اعزا کے سامنے جن سے پردہ کرانا منظور بھی ہے اکثر صرف دوپٹہ کی آڑ سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ پورا ہو گیا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں یقیناً حدِ شرعی کی خلاف ورزی ہے کہ یہ پردہ ایسے باریک ململ کے دوپٹہ سے بھی ہو جاتا ہے۔ جو حقیقۃً ساتر نہیں یعنی اس کے اندر سے شکل و شمائل نظر آتی ہے مگر اسے بھی بیچاری بے زبان شرع کے سر منڈھ کر کہہ دیا جاتا ہے کہ شرعی پردہ مگر یہیں اس شرعی و غیر شرعی کی موجودہ اصطلاح

پڑی تھی اور ایک طلاکار رومال نقاب کے اوپر سے اس کے سر پہ بندھا ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں پردہ کی اتنی پابندی تھی کہ سفر کے عالم میں اور سواری پر بھی جب کہ آج کل کی بعض پردہ دار خواتین بھی پردہ ضروری نہیں سمجھتیں اور اپنے شہر کے اسٹیشن سے ریل کے چلتے ہی وہ پھر برقع اتار دیتی یا کم از کم نقاب الٹ دیتی ہیں اور بعض ہمارے والیانِ ملک کی بیویاں اپنے شہر میں پردہ کرتی ہیں مگر غیر ملک میں جاکر پردہ الٹ دیتی ہیں اور اپنی بے پردہ تصویریں اخباروں میں شائع ہونے کو بھی ناپسند نہیں کرتیں۔ بلکہ شاید حسن وجمال کی تعریف کے ساتھ ان تصویروں کی اشاعت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتی ہیں۔ مگر ملکِ عرب کی ایک ملکہ حالتِ سفر میں بھی اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھنا اپنی فرض سمجھتی تھی۔

ساتویں صدی ہجری میں پردہ کی ہمہ گیری مسلمانوں میں اتنی تھی کہ علامہ حلی رحمہ اللہ تذکرۃ الفقہا میں فرماتے ہیں:۔

> لاتفاق المسلمین علی منع النساء من ان یخرجن سافرات
>
> "تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کو کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ باہر نہیں نکلنے دیتے۔"

گیارھویں صدی ہجری تک برابر یہ عمل درآمد اسی ہمہ گیری کے ساتھ رہا۔ اس لئے فاضل ہندی تاج الدین حسن بن محمد اصفہانی نے کشف اللثام میں یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

> الاطباق فی الاعصار علی المنع من خروجھن سافرات

ہر زمانہ میں اس عمل درآمد پر اتفاق رہا ہے کہ عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ گھر سے نہ نکلیں وہ نکلتی ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ۔ اس کے بعد سے آخری صدیوں کا عمل درآمد تقریباً یا حقیقتہً ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے۔

یہ ہر زمانہ کے پابندِ شرع مسلمانوں کا عمل درآمد خود ایک قطعی ثبوت ہے اس کا کہ پردہ نظامِ اسلامی کا ایک جزو اور تمدنِ مذہبی کا ایک ضروری اصول ہے اور اسی لئے

سے متفق نہیں ہوں۔ میرے نزدیک وہ یوپی کے شرفاء والا پردہ بھی غیر شرعی نہیں ہے شرعی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ برقع وچادر والا پردہ کم از کم اور ناگزیر درجہ پردہ کا ہے جس کے بغیر پردہ کی پابندی ہو ہی نہیں سکتی اور یہ چادر دیواری کا پردہ ایک بلند درجہ ہے جس کا حکم شرع میں موجود ہے مگر سب پر اس کی پابندی فرض نہیں ہے۔

دوسری لفظوں میں وہ پردہ واجب ہے اور یہ پردہ مستحب ہے۔ لیکن اگر نماز فرادیٰ کے کافی ہو جانے سے نماز جماعت غیر شرعی نماز نہیں قرار پاسکتی تو تیسری قسم والے پردہ کے کافی ہونے سے چوتھی قسم کا پردہ غیر شرعی پردہ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ پردہ امہات المومنین یعنی ازواج رسولؐ کے لئے ایک فریضہ مخصوص کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ ان کے واسطے یہ خصوصیت خاص تھی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر کہیں جائیں ہی نہیں اور حتی الامکان اپنے مکان کی پابند رہیں انہیں حکم تھا کہ "قرن فی بیو تکن" "اپنے گھروں کے اندر بیٹھی رہو" قرن کی لفظ بعض لوگ وقار سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ مگر علامہ ابوالبقاء رازی نحوی متوفی ۶۲۳ھ نے تصریح کی ہے کہ اسے قران پڑھا جائے ق کے کسرہ کے ساتھ تو وقار کے معنی ہو بھی سکتے ہیں لیکن قرن بفتح ق پڑھنے کی صورت میں جو مشہور اس کی قرأت ہے وہ صرف قرار سے مشتق ہو سکتا ہے (التبیان فی اعراب القرآن) شربینی مفسر نے لکھا ہے قرن کے معنی ہیں اسکن دامکثن دائما ساکن رہو اور ٹھہرو ہمیشہ، بعض ازواج مقدسات نے اس کی اتنی پابندی کی کہ حج اور عمرہ مستحبی کو ترک کر دیا۔ جناب سودہؓ سے کسی نے پوچھا آپ حج اور عمرہ کو نہیں جاتیں۔ انہوں نے کہا کہ حج اور عمرہ تو میں پہلے کر چکی ہوں۔ اب مجھے اللہ کا حکم یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں برقرار رہوں۔ میں تو اپنے گھر سے نکلوں گی نہیں جب تک دنیا سے رخصت نہ ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سودہ اپنی زندگی بھر اپنے حجرہ سے نہیں نکلیں۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جنازہ بس حجرہ سے باہر آیا۔

(سراج منیر ص۲۳۹)

بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے کمال نسوانی کی منزل جس سے عورت اپنے رب سے تقرب حاصل کر سکتی ہے اسی کو قرار دیا فرمایا ادنیٰ ما تکون

مزید علامہ نے قوم کو بتایا۔ بہترین درجہ تقرب حضرت باری کا اسے یوں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر رہنے کی پابند رہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاب کا بلند درجہ جو سب ہی عورتوں کے لئے پسندیدہ ہے وہ یہی ہے۔

چنانچہ عورتوں کے لئے بند رکھے جانے اور گھروں کے اندر رہنے کا حکم عمومی حیثیت سے وارد بھی ہوا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث امام جعفر صادقؑ سے جس میں فرمایا ہے۔ فاحبسوا نساءکم یا معاشر الرجال۔ "اپنی عورتوں کو بند رکھو" ایسے ہی الفاظ علل الشرائع کی حدیث میں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔ فحصنوهن فی البیوت "گھروں میں قلعہ بند رکھو انہیں"

کچھ حدیثوں میں باختلاف الفاظ اس طرح ہے کہ النساء عی وعورہ فاستروا عیهن بالسکوت واستروا عورتهن بالبیوت۔

"صنف نازک سرتاپا عورت یعنی چھپانے کی چیز ہے اس لئے ان کو گھروں میں پوشیدہ رکھو"

ان احادیث کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور لفظ عورت کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

ان تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ عورت کے لئے سب سے بہتر پردہ گھر کی چاردیواری کا ہے۔ اس کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں پردہ کا یہ معیار کہ قد و قامت بھی نظر نہ آئے اس کی بنیاد قائم فرمائی سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جب آپ مرض الموت میں ایک روز غیر معمولی طور پہ متفکر نظر آئیں اور اسماء بنت عمیس نے سبب دریافت کیا حضرت نے فرمایا کہ اے اسماء مجھے یہاں کا جنازہ اٹھانے کا دستور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ عورت کی میت کو بھی تختہ پر اٹھایا جاتا ہے۔ جس سے قد و قامت اس کا نظر آتا ہے۔ اسماء اس سے پہلے چونکہ حضرت جعفر طیار کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان کے ساتھ ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ملک حبشہ میں ایک طریقہ

جنازہ کے اٹھانے کا دیکھا ہے۔ میں وہ آپ کو بنا کر دکھاؤں گی غالباً آپ اُسے پسند فرمائیں گی
چنانچہ اسماء نے تابوت کی ایک شکل بنا کر سیدۂ عالم کو دکھائی۔ آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا
اور اپنے والدِ بزرگوار جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نے آپ کو
ہنستے نہ دیکھا تھا آج اتنا خوش ہوئیں کہ تبسم فرمانے لگیں اور کہا اسماء تم نے میرے پردہ کا
انتظام کیا۔ اللہ روزِ قیامت تمہارا پردہ رکھے۔

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی لاش تابوت میں اٹھائی گئی۔

اس کے بعد ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس طرح کا پردہ جو قد و قامت کو بھی مخفی کر سکے
غیر شرعی پردہ ہے۔

ہاں جو کچھ بھی ہے وہ اتنا کہ مقدارِ واجب سے وہ زیادہ ہے اور تمام عالمِ اسلام میں
عموماً جو پردہ رائج ہے وہ شرعی حیثیت سے واجب مقدار ہے۔ جس میں کمی کی کوئی
گنجائش نہیں ہے۔

مخالف شبہات، تاویلات اور اُن کا جواب

مذکورہ بالا دلائل کی موجودگی میں کوئی شخص جو ذرا بھی گوش ہوش رکھتا ہو وہ اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسلام میں بالکلیہ پردہ کے وجود کا انکار کرے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر نہیں جو مذہبی تعلیمات کی پابندی ہی کو عار و ننگ سمجھتے ہیں اور کھلم کھلا مذہب سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ اپنی آزادی میں مذہب کی آڑ لیں اور آیات و احادیث کی تاویل ضروری سمجھیں اور یہ لوگ حقیقت میں کم خطرناک ہیں مگر وہ لوگ جو اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی پابندی کا ادعا بھی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ وہ ایسے مسائل میں علماء کے اقوال اور نادر تفاسیر اور توجیہات و تاویلات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے اور ان سے پردہ کے خلاف اپنی مقصد براری کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سادہ لوح افرادِ مذہب کے ڈگمگانے کا باعث ہو سکتے ہیں اور اسی لیئے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ شبہات اور توجیہات و تاویلات کو درج کر کے ان کا استیصال کر دیا جائے۔

پہلا شبہہ علماء قائل ہیں کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا جائز ہے۔ اس لئے پردہ کا اٹھایا جانا قابل اعتراض نہیں ہے

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تھوڑے سے، بہت سے اور بہت سے بھی زیادہ کوئی درجہ ہو تو علماء مفسرین یا محدثین کے اقوال تو کوئی شرعی سند بن ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ غیر معصوم ہوتے ہیں اور غیر معصوم ایک یا ہزار یا دس کروڑ کوئی بھی غلطی سے مستثنیٰ نہیں ہے جب کہ اس کے برخلاف بہت سے اکابر علماء اور محققین چہرہ اور ہاتھوں کے استثنا کے قائل نہیں ہیں۔

شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ متوفی ۳۸۱ھ مقنع میں۔ شیخ مفید ابو عبداللہ محمد بن محمد النعمان متوفی ۴۱۳ھ مقنعہ (مطبوعہ طہران ص ۲۸۲) میں شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ نہایہ میں ابن ادریس حلی متوفی ۵۹۸ھ سرائر میں۔ علامہ ابن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ اپنی کتاب متشابہات القرآن میں آیۃ اللہ العلامہ علی الاطلاق الشیخ حسن بن یوسف بن مطہر حلی متوفی ۷۲۶ھ تذکرۃ الفقہاء (ج ۲ مطبوعہ ایران) میں۔ ان کے فرزند فخر المحققین محمد بن الحسن بن یوسف الحلی متوفی ۷۷۱ھ ایضاح میں۔ شیخ جمال الدین مقداد بن عبداللہ سیوری حلی متوفی ۸۲۶ھ کنز العرفان میں۔ فاضل ہندی ضیاء الدین محمد بن الحسن الاصفہانی متوفی ۱۱۳۷ھ کشف اللثام میں اور پھر شیخ الفقہا شیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۶ھ اپنی مشہور کتاب جواہر الکلام میں۔ سرکار آقا سید کاظم طباطبائی متوفی ۱۳۳۷ھ بطور احتیاط وجوبی اور ہمارے سب سے بڑے استاد میرزا محمد حسین نائینی طاب ثراہ حاشیہ عروۃ الوثقیٰ میں اسی کے قائل ہیں اور ہمارے استاد جناب سید باقر صاحب قبلہ متوفی ۱۳۴۶ھ نے اپنی کتاب اسداد الرغاب فی مسئلۃ الحجاب صرف اسی کے اثبات میں تحریر فرمائی ہے۔

محقق حلی صاحب شرائع کا شمار اس فہرست میں اگرچہ عام طور پر اس سے پہلے نہیں کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ موصوف بھی چہرہ اور ہاتھوں پہ پہلی نظر کو جائز سمجھتے ہیں اور دوسری نظر کو وہ بھی حرام کہتے ہیں ملاحظہ ہو شرائع الاسلام مطبوعہ ایران ص ۱۴۹۔

یجوز ان ینظر وجھھا وکفیھا علی کراھیۃ فیہ ولا یجوز معاودۃ النظر۔

"یعنی چہرہ اور ہاتھوں پر نظر کرنا مکروہ ہے اور دوبارہ نظر ڈالنا ناجائز ہے۔"

اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بے پردہ عورتیں جو سامنے آتی ہیں ان پر نظر پڑنے سے راستہ وغیرہ چلنے کی حالت میں تحفظ واجب نہیں ہے۔ لیکن پہلی دفعہ نگاہ پڑنے کے بعد نظر کا ہٹا لینا لازم ہے اور دوبارہ نظر چہرہ پر بھی جائز نہیں ہے۔

اس کو زیادہ صاف طریقہ پر علامہ حلی نے اپنی قواعد میں ان الفاظ میں کہا ہے:۔

ولا یجعل النظر الی الاجنبیۃ الا بضرورۃ کالشہادۃ علیھا ویجوز الی وجھھا وکفیھا مرۃ لا ازید۔

"غیر عورت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے مگر کسی ضرورت کی بناء پر جیسے گواہی دینے کے لئے اور چہرہ اور ہاتھوں پر بس ایک مرتبہ نظر جائز ہے۔ اس سے زیادہ نہیں"

یہی شہید اول محمد بن مکی عاملی اور شہید ثانی شیخ زین الدین عاملی رحمۃ اللہ کا مختار ہے شرح لمعہ میں انھوں نے یہ لکھنے کے بعد کہ یجوز النظر الی وجہ امراۃ یرید نکاحھا "نظر کرنا اس عورت کے چہرہ پر جائز ہے کہ جس سے شادی کرنا مقصود ہے لکھا ہے۔ ویختص الجواز بالوجہ والکفین یہ جواز چہرے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ مخصوص ہے"

شارح نے اس کے شرائط کے ذیل میں فرمایا ہے۔ ومباشرۃ المرید بنفسہ فلا یجوز الاستنابۃ فیہ وان کان اعمی۔

"جو شادی کرنا چاہتا ہے وہ بس بذات خود نظر کر سکتا ہے۔ دوسرے کو اپنا قائم مقام نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر خود نابینا ہو تب بھی دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا"

اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ پر نظر کرنا عام حالات میں حرام ہے اور چہرہ پردے سے مستثنیٰ نہیں ہے اس کے بعد شہید اول متن میں اور شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں۔

ولا ینظر الرجل الی المرأۃ الاجنبیۃ وھی غیر المحرم والزوج والامۃ الا مرۃ واحدۃ من غیر معاودۃ فی الوقت الواحد عرفا۔

"انسان غیر عورت کی طرف کسی ایک موقع پر بس ایک دفعہ دیکھ سکتا ہے۔ پلٹ کے پھر دیکھنا جائز نہیں ہے"

(شرح لمعہ، طبع عبدالرحیم ج ۲ صد ۵)

زمانہ قریب کے علماء میں سے آقا شیخ احمد آل کاشف الغطاء نے اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

لا یحل للرجل النظر الی الاجنبیۃ ولا للمرأۃ النظر الی الاجنبی

الا الوجه والکفین مرۃ واحدۃ من غیر معاودۃ

(ج ۲ مطبوعہ نجف اشرف ص ۲۵۴)

یہ تو علماء کے اقوال ہیں اور حقیقت میں شرعی سند کسی مسئلہ میں صرف کلام الٰہی اور کلام معصوم ہے اور اس سے بلا شبہ پردہ کا وجوب ثابت ہے۔

آیت قرآنی میں الا ما ظھر منھا کے چہرہ اور ہاتھ قرار دینا صرف انسانی دماغ کا ایک اختراع ہے، حالانکہ کلام الٰہی میں اعضائے جسمانی سے یہ استثناء ہرگز نہیں بلکہ زینت سے استثناء ہے اور زینت ہیں باطنی زینت وہ ہے جس کے اظہار سے جسد کا اظہار ہوتا ہے اور اوپر کی زینت وہ ہے جسکے اظہار سے جسد کا اظہار نہیں ہوتا اسلیئے اس سے جسم کے کسی ایک حصہ کے بھی کھلنے کا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس پر تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے یہ ما ظھر کی تفسیر چہرہ اور ہاتھ کے ساتھ اصل میں عطاء ضحاک اور اوزاعی کی تفسیر ہے جنکا امول مسائل شرعیہ میں ہمارے نزدیک ذرہ بھر وقعت نہیں رکھتا خود کتب اہل سنت میں جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعودؓ کا یہی قول ہے کہ ما ظھر منھا سے مراد اوپر کے کپڑے ہیں۔ ابن مسعود کی قرأت اور ان کے فقہی اقوال زیادہ تر آل رسول علیہم السلام کے موافق ہوتے ہیں، اسی قصور پر انہیں استبدادی قوتوں کے ہاتھ سے جسمانی و روحانی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑے، اس لئے ان کا قول ہمارے نزدیک حقیقت امر اور مراد الٰہی سے زیادہ قریب ہے۔

قریب بتواتر احادیث جس میں مطلق طور پر نظر الی النساء کو موجب فتنہ، موجب فساد اور "سہم من سہام ابلیس مسموم" (شیطان کا زہر میں بجھا ہوا تیر) اور باعث ضرر اور گناہ بتایا گیا ہے اور پہلی نگاہ کو جو اتفاقی طور سے پڑ جائے جائز کہتے ہوئے دوسری نگاہ کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ان سب میں کہیں اس استثناد کا پتہ نہیں ہے اور چونکہ عورت پر نظر کرنے کے الفاظ کو سن کر سب سے پہلے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ چہرہ پر نظر ڈالنا اس لئے دوسرے اعضاء و جوارح پر نظر کی ممانعت کے بارے میں وہ صرف ایک ظھور اطلاقی کا درجہ رکھتا ہو مگر چہرہ پر نظر کی ممانعت کے بارے میں اسے نص کا درجہ حاصل ہوگا اور

کسی طرح چہرہ کو اس حکم سے خارج سمجھنا درست نہیں ہو سکتا۔

اس کا ایک صریحی ثبوت حضرت زینبؑ کا ارشاد ہے جس کا تذکرہ اس سے پہلے خاندان رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ دربار یزید میں اپنے مصائب کے اظہار کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا قد ھتکت ستورھن وابدیت وجوھھن "تو نے اہلِ بیت رسولؐ کو بے پردہ کیا اور ان کے چہروں کو کھول دیا" اور پھر فرمایا یتصفح وجوھھن القریب والبعید والدنی والشریف "نزدیک و دور کے لوگ اور پست و بلند درجہ کے افراد ان کے چہرہ پر نظر ڈال رہے ہیں۔" ظاہر ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا شارعِ اسلام کے خاندان کی ایک فرد ہیں جہاں شرعی حدود کی مخالفت تمام باتوں سے زیادہ قلب کے لئے باعث تکلیف اور روح کے لئے سبب اذیت ہو سکتی ہے بقول جناب سید باقر صاحب قبلہ کے "اگر چہرہ اور ہاتھوں کا کھلنا شرعاً جائز ہوتا اور اجنبی مردوں کی نظر کا ان اجزائے جسم پر پڑنا درست ہوتا لیکن سر اور بالوں کا کھلنا نامحرموں کے سامنے ممنوع ہوتا جیسا کہ مخالفین کا قول ہے تو یقیناً سر اور بالوں کا بے پردہ ہونا حضرت زینبؑ کے نزدیک چہرہ کے بے نقاب ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہونا چاہئے تھا اور مقتضائے بلاغت یہ تھا کہ مقام ذکرِ مصائب اور احتجاج میں اس کا تذکرہ کیا جاتا لیکن جب کہ صدیقہ صغریٰ نے بجائے سر اور بالوں کے چہرہ کا تذکرہ کیا تو اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ کا پردہ شریعت اسلام کا ضروری جزو ہے اور چہرہ پر نظر پڑنا ایک پردہ دار عورت کی بڑی توہین ہے۔

(اسدالرغاب صہ ۴۵)

حقیقت میں پردہ کی تشریح کا مقصد یعنی نفس امارہ کے رجحانات کو جو حسن نسوانی کی مقناطیسی کشش سے ہو سکتے ہیں روکنا یہ بھی چہرہ کے پردہ ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو پھر پردہ کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا اور جب کہ ہم قرآن اور سنت متواترہ سے یہ بہرحال ناقابل انکار طور پر دیکھ رہے ہیں کہ پردہ کا قانون اسلام میں ضرور ہے اور اس پر زور دیا جا رہا ہے تو اسی سے ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس حکم کا تعلق چہرہ کے ساتھ ضرور ہے۔

چہرہ تو حقیقت میں جمال صورت کا نقطۂ مرکزی ہے۔ چشم و ابرو اور خد و خال، ناوک نظر اور تیر مژگاں، تکلم، تبسم، اشارہ اور نگاہ سر کرشمہ کا تعلق اسی "جنت نگاہ" سے ہے۔ شاعروں کی اصطلاح میں سر کے بال جیا ہے "دام" اور زنجیر کا کام دیتے ہیں۔ مگر قاتل اور صیاد بننے کا تعلق نگاہ ہی سے ہے۔

عربی شاعر متنبی نے ناگزیری محبت کے اظہار میں یوں کہا ہے۔

تناهى سكون الحسن في حركاتها فليس لرائي وجهها لم يمت عذر

جنبشوں میں اس کے حسن کا رکھ رکھاؤ انتہائی درجہ پہ پہنچ گیا ہے بس اس کے چہرہ کو دیکھ کر جو مر نہ جائے اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔"

اس نے مرنے کا سبب چہرہ کا دیکھنا قرار دیا ہے "بالوں" کا یا "سر" کا دیکھنا نہیں۔

کسی دوسرے شاعر نے یوں کہا!۔

وعينان قال الله كونا فكانتا فعولين بالالباب ما تفعل الخمر

"وہ دو آنکھیں جو اللہ کے اشارہ کن سے پیدا ہوئیں اس شان کی ہیں کہ عقل و ہوش کے ساتھ شراب کا سا سلوک کرنے والی ہیں۔"

میر تقی میر کا یہ شعر بھی یاد کر لیجئے۔

میر ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے

اس صورت میں یا تو شریعت اسلام میں پردہ کا تخیل ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ پھر قرآن سے ان آیتوں کو نکال دیجئے جیسے واذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب "اے مسلمانو تمہیں ازواج رسولؐ سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔" (احزاب۔

حالانکہ ازواج رسولؐ کو امہات المومنین کا درجہ دے دیا گیا تھا اگر وہ پردہ سے مستثنیٰ ہوتیں تو دوسروں کے لئے نظیر قائم نہ ہوتی لیکن جب اس کے باوجود ان کے لئے پردہ کا حکم دیا گیا تو صاف ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتیں۔ جیسے ولا يبدين زينتهن "اپنی آرائش کو ظاہر کریں" جب چہرہ ہی کھل گیا تو دوسری آرائش ظاہر ہو گی تو کیا ہو گا۔ جیسے يا ايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء المومنين يدنين عليهن من جلابيبهن ط (احزاب

"اے رسولؐ اپنی بی بیوں سے کہو، اپنی خاندان کی لڑکیوں سے کہو اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہو کہ سر سے پیر تک چادر میں نہاں ہو کر نکلا کریں۔"

حالاں کہ ادنا جلباب کے معنی ہی ہیں چہرہ کا چھپانا جس کے شواہد پہلے تفصیل سے آ چکے ہیں۔

یقیناً ان تمام آیات کو قرآن سے اس صورت میں کہ جب چہرہ کھلے خزانے نامحرموں کے کے سامنے لانا جائز سمجھا جائے خارج کر دینا چاہیئے اور ان احادیث کے دفتر کو بھی دریابرد کر دینا چاہیئے جن میں عورتوں پر نظر ڈالنے کو منع کیا گیا ہے، سبب فتنہ بتایا گیا ہے اور اس کے بُرے نتائج سے ڈرایا ہے۔ مگر جب کہ نہ قرآن سے وہ آیتیں نکل سکتی ہیں نہ احادیث کو فنا کیا جا سکتا ہے تو مسلمان رہتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ اسلام میں پردہ کا نظام موجود ہے اور پردہ کا کوئی مفاد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک چہرہ چھپانا لازم نہ ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ چہرہ کا پردہ ضروری واجب ہے اور اس کے خلاف جو توہمات ہیں وہ صرف عدم تدبر یا سہولت پسندی کا نتیجہ ہیں۔

لطف یہ ہے کہ مذہبی دنیا جو عملاً پردہ کی پابند رہی ہے اس نے ہمیشہ چہرہ کو پردہ کا مرکز سمجھا ہے بلکہ ہمارے شرفاء کے گھروں کے "شرعی پردہ" میں جو عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جب چادر سے یا دوپٹہ کا پردہ کیا جاتا ہے۔ تو چاہے پان دیتے ہیں یا اور کسی ضرورت سے ہاتھ کلائی بلکہ کہنی تک کھل جائے چاہے پیر اتفاق سے باہر رہ جائے مگر چہرہ کو چھپائے رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے حالاں کہ شرعاً یہ صورت بھی قابل اعتراض ہے "شرعی پردہ" یعنی اقل درجہ وجوب میں جسم کا کوئی حصہ بھی کھلا نہیں رہنا چاہیئے۔ مگر مجھے یہ دکھانا ہے کہ پابندان مذہب کے طبقہ میں چاہے وہ کسی عالم کے مقلد ہوں عملی طور سے چہرہ کے پردہ کی سب سے زیادہ اہمیت محسوس کی گئی ہے اور بھی اختلافی مسائل کی طرح ایسا نہیں ہے کہ کچھ علماء کے مقلدین اپنے عالم کے فتوے کی بنا پر چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ سمجھ لیں۔ مگر آج اس استثناء والے قول سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ جو تمدن مغربی کی رو میں بہہ کر پردہ کے اٹھانے کے درپے ہیں۔ وہ مذہبی طبقہ کے اعتراض کے

مقابل میں اس استثناء کی پیپرے کرا ٹھتے ہیں حالانکہ تمدن مغربی کو اختیار کر کے ہندوستانی فیشن کی آمیزش کے ساتھ عملی طور پر کیا ہوگا۔ وجہ وکفین (چہرہ اور ہاتھوں کا) اظہار فقط؟ تو یہ نہیں جناب ہاتھ، کہنیوں تک نہیں بلکہ شانوں تک اور کسی ضرورت سے ہاتھ اونچا کرنے کی شکل میں ڈھیلی آستینوں کی جتنی وسعت ہو اس کے لحاظ سے اور آگے تک کنپٹیاں، کان، سر، گردن۔ بال جتنے بھی بر بنائے فیشن رکھے گئے ہوں پشت کا اوپر کا حصہ۔ سینہ جس حد تک فیشن کے حدود متقاضی ہوں پیر، گٹے، پنڈلیاں اور لڑکیوں کے لئے رجو نز برس کی ہوچکنے کی وجہ سے شرعی طور پر بالغ بھی ہو چکی ہوں) گھٹنے اور رانوں کا بہت سا حصہ بھی۔ اس سب کے جواز کے لئے تنکے کا سہارا "چہرہ اور ہاتھوں" کا استثناء جس کے بعض علماء قائل ہیں یا بعض شاذ اور غیر معمول بہ روایات ہیں جس کا پتہ چلتا ہے۔ کیا یہ اپنی لامذہبیت کو مذہب کے آڑ میں چھپانے کے لئے مذہب کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ مجھے اگر پتہ بتایا جائے کسی خطہ ارض میں ایسی عورت کا جو نیک نیتی سے کسی ایسے عالم کی مقلد ہو کر جو وجہ وکفین کے استثنار کا قائل ہے ان حدود کی پابندی کے ساتھ مردوں کے سامنے آتی ہو تو چاہے میں اس فتوے کو غلط سمجھتا ہوں مگر اس عورت کا احترام کرنا ضروری سمجھوں گا اس لئے کہ اس نے ایک اصول کو پیش نظر رکھا ہے اور اس اصول کی وہ عملی طور سے پابند بھی ہے۔ مگر یہ دلدادگان تمدن مغربی جس طرح خواتین کو بے پردہ بنا رہے ہیں یا وہ جس طرح بے پردہ ہو رہی ہیں اس عمل کو میں جتنا اپنی جگہ قابل نفرت سمجھوں اس سے زیادہ ان کی اس کوشش کو قابل نفرت سمجھوں گا کہ وہ اپنے اس عمل کو اسلامی تعلیم کے حدود میں لانے کی کوشش کریں اس قول کی بناء پر جو استثنائے وجہ وکفین کے متعلق بعض علماء نے اختیار کیا ہے۔ یہ سعی ان کی نہ کامیاب ہے اور نہ مشکور۔ اسلامی تعلیم ہرگز اس بے پردگی کے لئے ان کی ہم آواز نہیں ثابت ہو سکتی۔

دوسرا شبہہ وہ شخص جو شادی کا ارادہ رکھتا ہے اسے موقع دیا گیا ہے کہ وہ اُسے دیکھ لے جس سے وہ عقد کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں یہ بھی امکان ہے کہ کوئی ہوس پرست شادی کے ارادہ کے بہانے سے سب ہی عورتوں

کو دیکھتا پھرے۔ اس صورت میں پردہ کے حکم کا کوئی مفاد باقی نہ رہے گا۔

اس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ کسی حکم میں مستثنیات کا وجود اصل قانون کے ثبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ اگر اس خصوصیت کے ساتھ کہ شادی کا ارادہ رکھتا ہو بطور استثناء نظر کی اجازت دی گئی ہو تو اس سے اصل قانون پردہ کے اثبات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے کہ مال و جمال کو مطمع نظر بناؤ اور یہاں تک کہا گیا کہ اگر ان دونوں کی خاطر شادی کرو گے تو دونوں سے محروم ہو گے۔ اصل جمال عورتوں کا جمال سیرت ہے۔ حسن ظاہری کے ساتھ بد اخلاق عورت کی مثال دی گئی ہے خضراء الدمن جیسے کوڑے پر اگا ہوا سبزہ ——— رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ایاکم و خضراء الدمن "دیکھو گھوڑے کے سبزے سے پرہیز کرو" پوچھا گیا ومن خضراء الدمن "گھوڑے کا سبزہ کون ہوتا ہے؟ فرمایا المرأۃ الحسناء فی منبت السوء ——— خوب صورت عورت بری نشوونما کے محل میں (فقہ الرضا مطبوعہ طہران)

اس طرح مسلمان کی نگاہ میں بلندی پیدا کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ اصول شرافت یہ ہے کہ شادی میں صورت کا لحاظ ہی نہ کرو۔ اس صورت میں دیکھنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن اگر نکاح کرنے والا اتنا بلند نگاہ نہیں ہے اور وہ صورت کو نصب العین قرار دئے ہوئے ہے اس لئے دیکھنے کا خواہش مند ہے تو لڑکی والوں کو یہ حق ہے کہ اس کی پست طبعی کا اندازہ کر لینے کے بعد اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیں وہ صاف کہہ دیں کہ تمہیں عورت کے اصلی جوہر حُسن کا اندازہ نہیں۔ وہ ظاہر کر دیں کہ تمہاری شرافت، شریف عورت کی قدر کرنے سے قاصر رہے گی اس لئے تمہیں ان حسینوں کی طرف رخ کرنا چاہیئے جو تمہارے مزاج اور طبیعت کے لائق ہیں لیکن اگر لڑکی والے اس کی اس طبیعت کا اندازہ کرنے کے باوجود خود اپنی بلند نگاہی کا مظاہر نہیں کر سکتے

بلکہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خود بھی کسی بلند سطح خودداری پر نہیں ہیں۔ تو پھر اسلام آیندہ کے شکوے، گلے، غلط فہمی کے احساسات اور اس کے ناخوشگوار معاشرتی نتائج کو روکنے کے لئے نکاح کرنے والے کو تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اس صورت میں وہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نظر ایسی جس سے صورت سے اندازہ ہو جائے عورت پر ڈالی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ شادی کے پیغام کا ارادہ ہونا کچھ خارجی قرائن اور آثار کا حامل ہوتا ہے۔ جیسے خواستگاری کرنا، نامہ و پیام کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ان قرائن و حالات کی موجودگی کے ساتھ لڑکی والے ایسا انتظام کر سکیں گے کہ ایک نظر دیکھنے کے لئے ذرا دیر کے لئے لڑکی کو اس کے سامنے کر دیں۔ اس صورت میں یہ امکان کہاں ہے کہ سب لڑکیوں کے ورثا اپنی لڑکی کو ہر مرد کے سامنے لے آئیں یا لڑکی ہر مرد کے سامنے آجائے۔ رہ گیا چھپ چھپا کر اتفاقی مواقع سے فائدہ اٹھانا تو وہ ظاہر ہے کہ انفرادی اور ہنگامی عمل ہے جسے بطور خود افراد عمل میں لاتے ہی ہیں اور وہ مابین خود و خدا والا معاملہ ہے۔ اب اگر حقیقت میں اس عورت کے ساتھ شادی کی نیت ہے اور نظر "بقدر ضرورت" سے آگے نہیں بڑھی۔ تو وہ اللہ کے یہاں گنہگار نہ ہوگا۔ پھر بعض علماء کی تصریح کے مطابق یہ جواز صرف اس وقت ہے کہ جب لڑکی کی طرف سے پیغام شادی کو منظور بھی کیا جا چکا ہو۔

ابن ادریس حلی رحمہ اللہ سرائر میں فرماتے ہیں۔

یجوز ان ینظر الی وجھھا وکفیھا فحسب۔ اذا کانت استجابت للنکاح فاما اذا لم یوافق علی التزویج فلا یجوز له النظر الی ما کان یجوز له النظر الیه عند استجابتھا و ظھور العمل بموافقتة۔

"صرف اس کے چہرہ اور ہاتھوں پر نظر جائز ہوگی اس صورت میں کہ جب اس نے شادی کرنا منظور کر لیا ہو اور اگر شادی کی منظوری نہیں ہوئی ہے تو اس کو نظر جائز نہ ہوگی"

فقیہ جلیل سالم بن ربیع نے اپنی کتاب مہذب میں جس کا قلمی نسخہ بخط مصنف ۹۵۰ھ کا لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے اس کے شرائط ذرا تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

یجوز النظر الی وجہ امرأۃ یرید نکاحھا اجماعاً بشروط الاول ان یکون مرید النکاحھا الثانی امکانہ عادۃ بالنظر الی حالہا وحالہ الثالث خلوھا من مواضع النکاح کالعدۃ وان جازت خطبتھا فی بعض المواضع الرابع ان لا یتلذذ بہ فوقت جواز النظر عند اجتماع ھذہ الشرائط۔

(یعنی) جس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے اس کے چہرہ پر نظر کرنا اجماعاً جائز ہے چند شرطوں سے پہلے یہ کہ واقعی نکاح کا ارادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی حیثیت اور اس لڑکی کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے دستور زمانہ کے مطابق اس نکاح کا امکان ہو تیسرے یہ کہ موانع نکاح میں سے کوئی امر پایا نہ جاتا ہو مثلاً عدہ میں نہ ہو اگرچہ اس حالت میں بعض صورتوں میں پیغام دینا جائز ہے مگر دیکھنا اس حالت میں جائز نہیں ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اس دیکھنے سے لذت اندوز ہونا مطلوب نہ ہو۔

جب یہ شرطیں جمع ہوں اس وقت نظر جائز ہو سکتی ہے۔"

شہید ثانی رحمہ اللہ نے شرح لمعہ میں بھی ان شرطوں کی تصریح کی ہے۔

امیر سید علی طباطبائی متوفی ۱۲۳۱ھ نے اپنی کتاب ریاض المسائل میں جو شرح کبیر کے نام سے مشہور ہے اس شرط کو بھی قوت دی ہے کہ صورت کا علم حاصل کرنے کا مفاد دیکھنے سے وابستہ ہو یعنی اگر پہلے سے اس عورت کی صورت کا علم ہو چکا ہے تو دیکھنا جائز نہیں ہے جناب سید کاظم طباطبائی طاب ثراہ نے نہایت صاف الفاظ میں لکھا ہے:۔

ویشترط ایضا ان لا یکون "یہ شرط ہے کہ پہلے سے اس کی صورت سے واقف نہ ہو۔"

(عروۃ الوثقیٰ مطبوعہ صیدا ج ۲ صہ ۳۴۹)

اور اگر حقیقت میں اس کا ارادہ شادی کا نہیں ہے بلکہ اس نے بہانہ بنایا ہے عورت کے دیکھنے کا تو اس بہانہ سے اللہ کے یہاں گناہ سے بچ نہیں جائے گا کیونکہ سب کو دھوکا دینا ممکن ہے اللہ کو دھوکا دینا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے میں سزا کی زد سے بچ گیا تو وہ صرف اپنے نفس کو دھوکا دے رہا ہے۔ (وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون) غور کیجئے تو اس بارے میں حسب ذیل حدیثیں جو وارد ہوئی ہیں۔

عن ابی عبد اللہ لا باس بان ینظر الی وجھھا کفیھا اذا ارادات یتزوجھا۔

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ عورت کے چہرہ اور کہنیوں کے حصہ تک پر نظر جائز ہے جب شادی کا ارادہ ہو۔"

دوسری روایت :۔

قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام الرجل یرید ان یتزوج المراۃ یتاملھا وینظر الی خلفھا والی وجھھا قال نعم لا باس بان ینظر الرجل الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجھا ینظر الی خلفھا والی وجھھا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے غور سے دیکھے اور اس کے پشت اور چہرہ پر نظر کرے حضرت نے فرمایا ہاں کوئی مضائقہ نہیں کہ مرد عورت کی طرف دیکھ لے اگر اس سے شادی کرنا منظور ہے اس کے پشت اور چہرہ کی طرف نظر کر سکتا ہے۔"

ان حدیثوں میں ارادۂ شادی کی قید کے ساتھ چہرہ پر نظر کرنے کی اجازت ایک قوی ثبوت ہے اس کا کہ عام قانون پردہ کے لحاظ سے چہرہ مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ سائل کو چہرہ کے متعلق سوال کی ضرورت نہ تھی اور امامؑ کے جواب میں پھر چہرہ کے ذکر کو دہرانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اسی لئے شیخ الطائفہ نے مبسوط میں فرمایا ہے :۔ فاما اذا نظر الی جملتہا بریدات یتزوجھا فعندنا یجوز ان ینظر الی وجھھا وکفیھا فحسب۔

اور محقق صاحب شرائع نے بھی شادی کے ارادہ کی صورت میں قید لگائی ہے اور کہا ہے ویختص الجواز بوجهها وکفیها یہ نظر کا جواز اس صورت میں چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ مخصوص ہے "۔

(شرائع الاسلام مطبوعہ طہران صہ ۱۴۹)

علامہ حلی ؒ نے تذکرہ میں بھی یہی تخصیص کی ہے اور فرمایا ہے۔

وهو المشهور بين العامة لقوله عليه السلام لمغيرة بن شعبة انظر الى وجهها ــــــ "یہی اہل سنت کے درمیان بھی مشہور ہے کہ حضرت نے مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا اس کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں "۔

شہید ثانی نے شرح لمعہ میں بھی فرمایا ہے کہ یختص الجواز بالوجه والكفين ظاهرهما و باطنهما بلکہ امیر سید علی طباطبائی صاحب ریاض نے اس کو مشہور کی طرف نسبت دی ہے فرمایا المشهور لختصاص الجواز بالموضعين۔

اور صاحب حدائق نے فرمایا ہے۔

ظاهر كلام الاصحاب الاقتصار فى النظر على الوجه والكفين "ہمارے علماء کے اقوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نظر کو چہرہ اور ہاتھوں میں محدود رہنا چاہیئے "۔

علامہ ابن شہر آشوب رحمہ اللہ نے بھی متشابہات القرآن میں یہی قید لگائی ہے فرماتے ہیں۔

يجوز النظر الى امرأة اجنبية يريد ان يتزوجها اذا نظر الى وجهها وكفيها۔ "غیر عورت جس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ صرف چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر نظر کرے "۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ چہرہ پردہ کے حکم سے کلیتہً خارج ہے بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

تیسرا شبہہ حج میں احرام کی حالت میں مرد کے لئے سر کا اور عورت کے لئے چہرہ کا چھپانا ممنوع ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چہرہ کا پردہ

واجب نہیں ہے۔

یہ تو ہم بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ احکام میں حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جس طرح نماز کی حالت میں جو ستر عورت کے لئے واجب ہے اس سے ہاتھ اور چہرہ کے مستثنیٰ ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ نماز کی صحت کے لئے جو پردہ ہے جو کسی نامحرم کے نہ ہونے کی صورت میں بلکہ تنہائی میں یا تاریکی میں بھی نماز کی خاطر واجب ہے اس میں ہاتھ اور چہرہ داخل نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی نامحرم موجود ہو تو نامحرم کی نگاہ سے چھپنے کے لئے بھی چہرہ اور ہاتھ کے پردہ کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح حالت احرام میں تمازت آفتاب اور لو دھوپ سے بچنے کے لئے چہرہ پر نقاب ڈالنے کی ممانعت ہے بلکہ فریضہ الٰہی میں جسمانی مشقت برداشت کرانے کے لئے چاہا گیا ہے کہ مردوں کے سر اور عورتوں کے چہرے تمازت آفتاب کو برداشت کریں اور ان کے چہروں کے رنگ حرارت سے متغیر ہوں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اجنبی مردوں سے بچنے کے لئے بھی چہرہ کو چھپانا جائز یا واجب نہ ہو۔ بلکہ مذہبی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔

طریق اہل سنت سے ام المومنینؓ عائشہ کی روایت ہے:۔

کان الرکبان یمرون بنا و نحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا جاذ فا سدلت احدانا جلبابھا من راسھا علی وجھھا فاذا جاوزونا کشفنا۔

"ہم احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور اس حالت میں مردوں کا ہمارے قریب سے گزر ہوتا تھا جب مرد آنے لگتے تھے ہم اپنے برقع کو سر کے اوپر سے چہرہ پر لٹکا لیتے تھے اور جب مرد چلے جاتے تھے تو ہم چہرے کھول دیتے تھے۔"

ظاہر ہے کہ اگر چہرہ کا چھپانا مردوں کے پردہ کے خیال سے بھی حالت حج میں ممنوع ہوتا تو رسالت مآبؐ اس عمل پر تائیدی سکوت نہ فرماتے بلکہ ممانعت فرما دیتے۔ حضرت کا سکوت اس کی دلیل ہے کہ چہرہ کے کھولنے کا حکم حج میں مردوں کے قریب نہ ہونے کی

صورت میں ہے۔ لیکن مردوں سے پردہ بہرحال ضروری ہے۔ ہمارے طریق سے حدیث صحیح میں حریز نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ حضرت نے فرمایا:

المحرمة تسدل الثوب علی وجهها الی الذقن

"احرام کی حالت میں جو عورت ہو اُسے کپڑے کو اپنے چہرہ پر ٹھوڑی تک لٹکا لینا چاہیئے۔"

صحیحۂ معاویہ بن عمار میں ہے حضرت صادقؑ نے فرمایا

تذل المرأة الثوب علی وجهها من اعلاه الی النحر اذا کانت راکبة۔

"سوار ہونے کی حالت میں عورت کو چاہیئے کہ وہ کپڑے کو اپنے چہرہ پر سر کے اوپر سے سینہ کے اوپر تک لٹکائے۔"

دونوں حدیثوں کو سامنے رکھو تو یہ صاف سمجھ میں آتی ہے کہ جب عورت پیادہ ہوگی تو اس پر مرد کی نظر سامنے سے یا برابر سے پڑسکتی ہے۔ اگر مرد بھی پیادہ ہو اور یا اوپر سے پڑے گی اگر مرد سوار ہو دونوں حالتوں میں ٹھوڑی تک لٹکے ہوئے کپڑے سے چہرہ چھپا رہ سکتا ہے لیکن اگر عورت سوار ہے تو پیادہ مرد اُس کو سواری کے نیچے سے دیکھے گا۔ اس صورت میں ٹھوڑی تک کا کپڑا کافی نہیں ہوگا بلکہ سینہ تک کپڑا ہوگا تب نظر سے مانع ہوگا۔ دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہ سے پردہ بہرحال ضروری ہے۔

ایک دوسری روایت صحیحہ میں بھی یہی ہے۔ المحرمة تسدل ثوبها الی نحرها۔

"احرام میں جو عورت ہو وہ کپڑے کو سینہ تک لٹکائے گی۔"

سماعہ کی روایت میں امام جعفر صادقؑ سے ہے۔

ان مر بها رجل استترت منه بثوبها۔

"اگر مرد کا پاس سے گزر ہو تو اپنے کپڑے کے ساتھ اس سے پردہ کرے۔"

ان احادیث کے بعد اس تصور کی گنجائش نہیں ہے کہ حالتِ احرام میں عورت کے لئے چہرہ کا کھولنا غیر مردوں کے سامنے بھی لازم یا جائز ہے۔

اسی لئے محقق ثانی علی بن عبدالعالی کرکی طاب ثراہ نے فرمایا ہے۔

وعليها ان تسفر وجهها بالنسبة الى الاحرام لا بالنسبة الى نظر الاجانب

"اور یہ چہرہ کے کھولنے کا حکم بلحاظ احرام کے ہے نہ بلحاظ غیر مردوں کی نظر کے۔" (جامع المقاصد ج ا مطبوعہ ایران)

اور فاضل ہندی بہاء الدین محمد بن حسن اصفہانی نے کشف اللثام میں لکھا ہے

یجوز لھا وقد یجب اذا ارادت لتستر عن الاجانب اسدال القناع ای ارسالہ من راسھا الی طرف انفھا

"جائز ہے کبھی واجب ہو جائے گا جب کہ غیر مردوں سے پردہ کی ضرورت ہو کہ وہ مقنع کو اپنے سر کے اوپر سے چہرہ کے اوپر ڈال لے۔"

فرماتے ہیں :- اما جواز السدال بل وجوبہ فبین مع الاجماع لانھا عورۃ یلزمہ التستر من الرجال الاجانب وللاخبار

"چہرہ پر مقنع کے ڈالنے کا جواز بلکہ وجوب ظاہر ہے علاوہ اجماع کے اسی دلیل سے کہ وہ عورت ہے۔ اسے غیر مردوں سے پردہ ضروری ہے۔ دوسرے احادیث اس پر دلالت کرتے ہیں۔"

جناب شیخ جعفر نجفی طاب ثراہ المتوفی ۱۲۲۸ھ نے بھی کشف الغطاء میں لکھا ہے۔

ویجوز لھا وقد یجب اذا ارادت التستر من الاجانب سدل القناع ای ارسلھا من راسھا الی طرف انفھا۔

جناب شیخ زین العابدین مازندرانی طاب ثراہ ذخیرۃ المعاد (مطبوعہ بمبئی ص ۵۱۶) میں فرماتے ہیں :-

احرام زنہار در روئے ایشاں می باشد کہ باید روئے خود را بنوشانند بہ نقاب وغیر آں حتی در خواب مگر برائے نامحرم کہ دریں صورت نیز پیادیز و مقنع یا پیچہ یار و بندرا۔

آقا میرزا محمد تقی شیرازی طاب ثراہ نے بھی حاشیہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض محتاط خواتین پردہ کے لحاظ سے جو یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ پنکھے وغیرہ کو رکھ کر نقاب اس طرح ڈالتی ہیں کہ چہرے سے الگ رہے اس طرح

وہ سمجھتی ہیں کہ احرام کے اس حکم کی بھی پابندی ہو جائے گی کہ نقاب چہرہ سے متصل نہ ہو اور پردہ بھی ہو جائے گا۔

اس کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے کہ احرام میں جس شے کی ممانعت ہے وہ کپڑے کا چہرے سے مس ہونا نہیں ہے، بلکہ آفتاب وغیرہ کی حدت سے چہرے کا چھپانا ممنوع ہے چاہے ایسے کپڑے سے ہو جو جلد سے مس ہوتا ہے اور خواہ مس نہ ہو اور پردے کے خیال سے چہرے کا چھپانا جائز۔ بلکہ واجب ہے جیسا کہ سابق تصریحات سے ظاہر ہے اس میں بھی چہرہ سے مس ہونے نہ ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔

پردہ کی اہمیت کا ایک خاص پہلو

پردہ کی اہمیت کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے قوانین اور احکام میں شارع مقدس کی جانب سے ترمیمیں کی گئی ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جب دو کلیئے خاص صورتوں میں آپس میں ٹکراتے ہوں تو جو اہم ہو گا وہ دوسرے پر مقدم ہو گا۔

اب جب کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہر جگہ پردہ کے حکم سے دوسرے کلیہ پر اثر پڑا۔ پردہ کے حکم پر اثر نہیں پڑا تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن ثبوت اس کا ہو گا کہ شرع کی نظر میں پردہ سب سے اہم چیز ہے۔

یہ ایک وسیع باب ہے۔ جس میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس موقع پر چند مثالیں پیش کر دینے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایک یہی احرام کا باب ہے۔ یہاں دو کلیئے اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ ایک یہ کہ حالت احرام میں چہرہ کھلا ہوا ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ نامحرم سے پردہ ضروری ہے۔ یہ دونوں ٹکراتے ہیں اس وقت جب حالت احرام میں نامحرم فرد سامنے آجائے۔ ایک کلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اب بھی چہرہ کھلا رہنے دیا جائے۔ دوسرے کلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ چہرہ اس وقت ڈھانکنے کی اجازت ہو جائے۔

اگر پہلے کلیہ کو مقدم کر کے اس حالت خاص میں چہرہ کے کھلے رہنے کا حکم بھی ہو جاتا تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ بجائے خود پردہ کا قانون کوئی چیز نہیں بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا کہ حالت احرام میں حج کے مفاد کو پردہ کے مفاد پر شرع نے مقدم کیا ہے۔ مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت نے پردہ ہی کے حکم کو مقدم کیا ہے اور اس لئے حج والے قانون میں ایک طرح کی ترمیم کر دی گئی کہ نامحرموں سے پردہ کی

غرض سے چہرہ کا چھپانا صحیح ہے۔

دوسرا ایک مہتم بالشان مرحلہ گواہی کا ہے۔ ظاہر ہے کہ محکمۂ عدالت شرعی میں اظہار حق کے لئے گواہی دینے کے واسطے شناخت کی ضرورت ہے اور مکمل شناخت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عورت سامنے نہ ہو۔ مگر اس موقع پر بھی امکانی حدود تک پردہ کی مراعات نظر انداز نہیں کی گئی۔

صفار کی روایت ہے:۔

کتبت الی ابی محمد فی رجل اراد ان یشھد علی امرأۃ لیس لھا محرم ھل یجوز لہ ان یشھد علیہا وھی من وراء الستر یسمع کلامہا اذا یشھد رجلان عدلان انہا فلانۃ بنت فلان التی تشھدک وھذا کلامہا اولا یجوز لہ الشھادۃ حتی تبرز ویثبتہا بعینہا فوقع علیہ السلام تتنقب وتظھر للشھود۔	میں نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں تحریری سوال بھیجا کہ ایک شخص کسی عورت کے متعلق گواہی دینا چاہتا ہے جو اس کی محرم نہیں ہے تو کیا اس صورت سے گواہی دینا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ پردہ کے پیچھے رہے اس طرح کہ یہ اس کی آواز کو سنتا ہو اور دو عادل شخص اس کی گواہی بھی دے دیں کہ یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق گواہی دینا چاہتے ہو اور یہ اسی کی آواز ہے یا اس وقت تک گواہی جائز نہیں جب تک کہ وہ سامنے نہ آئے اور یہ اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے حضرت نے تحریر فرمایا کہ وہ چہرہ پر نقاب ڈال لے اور پھر گواہوں کے سامنے آئے۔"

یہاں بھی گواہی کے ایسے اہم موقع پر پردہ کے مفاد کو مد نظر رکھا گیا اور اس سے ایک اور ثبوت اس کا بھی ملا کہ چہرہ پردہ سے مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ نقاب کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کے باب میں چہرہ کی خاص اہمیت ہے۔

ہے اس لئے اس کے پردہ یعنی نقاب کا تذکرہ خصوصیت سے ضروری سمجھا گیا۔

تیسرا موقع نماز جمعہ کا ہے اس صورت میں کہ جب امام معصوم نماز پڑھانے کے لئے موجود ہوں تو یقیناً ہر ایک شخص پر واجب عینی ہے اور زمانہ غیبت امامؑ میں اختلاف بھی مگر بعض علماء اس صورت میں بھی وجوبِ عینی کے قائل ہیں اور بعض واجب تخییری کہتے ہیں تو اسے افضل الفردین (یعنی جمعہ اور ظہر دونوں فردوں میں افضل) قرار دیتے ہیں۔

بہر صورت عورت اس حکم سے خارج ہے۔ نہ وجوب عینی کی صورت میں اس پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب اور نہ وجوبِ تخییری کی صورت میں اس کے لئے ایسا کرنا افضل، کیا پردہ کے لحاظ کے سوا اس کا سبب کچھ اور ہے؟

جناب شیخ مفید مقنعہ میں فرماتے ہیں:۔

تسقط صلوٰة الجمعة مع الامام من تسعة الطفل الصغير والهرم الكبير والمرأة الخ۔

اس سے ظاہر ہے کہ امامؑ کی موجودگی میں بھی عورت پر سے جمعہ ساقط ہے" جناب شیخ الطائفہ مبسوط میں فرماتے ہیں:۔

ومن لا تجب عليه ولا تنعقد به فهو الصبي والمجنون والعبد والمسافر والمرأة۔

ایسا ہی سرائر ابن ادریس میں بھی ہے۔

محقق حلی شرائع میں لکھتے ہیں کہ "جمعہ کے وجوب کے لئے ذکوریت شرط ہے اور عورت اگر جمعہ میں اگر شریک ہو تو وہ اس تعداد میں جو نمازیوں کی جمعہ کے لئے ضروری ہے شمار نہ ہوگی (شرائع صـ۴۵)

اپنی دوسری کتاب معتبر میں شرائطِ وجوبِ جمعہ میں ذکوریت یعنی مرد ہونے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے علیہا اجماع العلماء (صـ۲۰۵)

چوتھے عام اصول یہ ہے کہ گھر سے افضل مسجد خانہ، مسجد خانہ سے افضل مسجدِ محلہ اور مسجدِ محلہ سے افضل مسجدِ جامع ہے۔ یعنی جتنا اجتماع بڑھتا جائے اتنا ثواب زیادہ۔

مگر عورتوں کے لئے فضیلت کے قدم برعکس جاتے ہیں۔ یعنی مسجد سے زیادہ ثواب گھر میں اور گھر کے صحن سے زیادہ ثواب اندر کمرے میں ہیں۔ اس میں پردہ کا خیال بالکل ظاہر ہے۔

علامہ حلی فرماتے ہیں:۔

ویکرہ للنساء الاتیان الی المسجد لما فیہ من التبرج المنھی عنہ قال الصادق خیر مساجد نسائکم البیوت ۔

پانچویں نماز ظہر و عصر میں اخفات اور نماز صبح، مغرب اور عشا میں جہر کا حکم ہے مگر عورت کے لئے ان نمازوں میں اخفات کی اجازت ہے اور نامحرم قریب ہو تو اخفات یعنی آہستہ پڑھنا متعین ہے۔

چھٹے غسل میت۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فریضۂ اسلامی ہے جو بطور عبادت انجام پاتا ہے۔ اس لئے غسل دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری ہے مگر مرد اور عورت کے باہمی پردہ کا خیال اتنا اہم ہے کہ اس شرط کو نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔

کتاب فقہ الرضا میں ہے:۔

ان مات میت بین رجال نصاری ونسوۃ مسلمات غسلہ الرجال النصاری بعد ما یغتسلون وان کانت المیت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین ونسوۃ نصرانیۃ اغتسلت نصرانیۃ وغسلتھا۔

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جائے اور بس عیسائی مرد موجود ہوں اور مسلمان عورتیں تو عیسائی مرد نہا کر اسے غسل دیں اور اگر عورت کا انتقال ہو اور بس مسلمان مرد ہوں اور عیسائی عورتیں تو عیسائی عورت نہا کر اُسے غسل دے۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں:۔

اذا مات رجل مسلم بین رجال کفار ونساء مسلمات لیس لہ فیھن محرم امر بعض الکفار بالغسل وغسلہ بتعلیم النساء غسل اھل الاسلام و کذلک ان ماتت امرأۃ مسلمۃ بین رجال مسلمین لیس فیھم لھا محرم ونساء کافرات امر الرجال امرأۃ منھن ان تغسلھا وعلموھا تغسیلھا علی سنۃ الاسلام

اس میں "عیسائی کا ذکر نہیں بلکہ مطلق غیر مسلم کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ غسل دے اور اگر میت مرد ہے تو اسے غسل دینے والے کافر مرد کو مسلمان عورتیں بتاتی جائیں کہ اس طرح غسل دو اور اگر میت عورت ہے تو غسل دینے والی کافر عورت کو مسلمان مرد تعلیم دے دیں کہ یوں غسل دیا جائے۔"

انتہا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی تین برس سے زیادہ کی ہو تو اسے مسلمان مرد غسل دے تو سکتے ہیں مگر حکم یہ ہے کہ :۔

غسلوها فی ثیابها وصبوا علیها الماء وحنطوها بعد الغسل و دفنوها فی ثیابها۔

"اس کے کپڑے نہ اتاریں، کپڑوں کے اوپر سے غسل دیں اور بس پانی کے تریڑے ڈال دیں اور کپڑوں ہی کے اوپر سے حنوط لگا دیں اور ان ہی کپڑوں میں دفن کر دیں۔" (مقنعہ مطبوعہ طہران صفحہ ۱۲)

ظاہر ہے کہ مردہ عورت اور نابالغ لڑکی کے متعلق وہ خطرات نہیں ہیں جو عورتوں کی بے پردگی میں عموماً خیال میں آسکتے ہیں۔ مگر یہ احکام انسانی ذہن میں اس خلیج کو مستحکم کرتے ہیں جو مردوں اور عورتوں کے پردہ کے لحاظ سے اسلام نے قائم کرنا چاہی ہے۔

مبسوط شیخ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے اور محقق حلیؒ نے نہایت صاف الفاظ میں لکھا ہے۔

تغسل الکافرۃ المسلمۃ اذا لم تکن مسلمۃ ولا ذو رحم۔

"جب کوئی مسلمان عورت مر جائے اور محرم مرد موجود نہ ہو تو کافر عورت مسلمان عورت کی لاش کو غسل دے گی۔"

شرائع الاسلام (مطبوعہ طہران صد ۹)

اور معتبر میں موصوف نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا ہے کہ غیر مسلم غسل دے اس بنا پر کہ غسل میت کے لئے نیت کی ضرورت ہے اور کافر کی نیت صحیح نہیں۔

پھر بھی اس کی اجازت نہیں دیتے کہ عورت کو غیر مرد یا مرد کو غیر عورت غسل دیدے بلکہ فرماتے ہیں الاقوب دفنها من غیر غسل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "قوی یہ ہے کہ بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے"۔

جس طرح اگر اتفاق سے مسلمان اور غیر مسلمان کوئی اس صنف کا موجود ہی نہ ہو تو اس صورت میں یہی فتویٰ ہے۔

فرماتے ہیں :۔

وفی روایۃ یدفنونها من غیر غسل وهی المشهورة وعلیها العمل لنا ان النظر الاجنبی محرم والغاسل لا ینفك عن الاطلاع علی ما یحرم وروی ابو الصباح الکنانی عن عبد الله علیه السلام فی الرجال یموت فی السفر فی ارض لیس معه الا النساء قال یدفن ولا یغسل والمرأة تکون مع الرجال فی تلك المنزلة تدفن ولا تغسل ومثله روی داؤد بن مرحان عن ابی عبد الله علیه السلام۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اس صورت میں میت کو بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے یہ حدیث مشہور ہے اور عمل اسی پر ہے۔ دلیل ہماری یہ ہے کہ غیر مرد کا نظر کرنا جسم پر حرام ہے اور غسل دینے والے کی نظر پڑنا ضروری ہے۔ ابو الصباح کنانی کی روایت امام جعفر صادقؑ سے ہے کہ کسی مرد کا انتقال ہو جائے ایسی جگہ جہاں عورتوں کے سوا کوئی نہ ہو تو مرد کو بغیر غسل کے دفن کر دیا جائے اور عورت کا ایسی جگہ انتقال ہو جائے جہاں مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو اس عورت کو بغیر غسل دفن کیا جائے یہی مضمون داود بن سرحان کی روایت میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے"۔

چونکہ ابوحنیفہؒ کا اس صورت میں یہ قول ہے کہ اس صورت میں میت کو تیمم کرایا جائے اس کی رد میں محقق فرماتے ہیں :۔

واحتجاج ابی حنیفة ضعیف لان نظر الاجنبی محرم

والمانع من الغسل مانع من التيمم وان كان الاطلاع مع التيمم اقل لكن النظر محرم قليله وكثيره۔

"ابوحنیفہ کا استدلال کمزور ہے اس لئے کہ غیر کی نظر پڑنا حرام ہے اور یہ مانع جس طرح غسل میں ہے اسی طرح تیمم میں بھی ہے بے شک تیمم میں کم اعضاء سے واقفیت پیدا ہوتی ہے مگر نظر بالکلیہ حرام ہے کم ہو یا زیادہ (معتبر محقق حلی مطبوعہ طہران صہ ۸۹)

اس سے بڑھ کر پردہ کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے۔

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہا میں فرمایا ہے۔

لوماتت امرأة وليس هناك الا الاجنبي قال علمائنا تدفن بثيابها ولا يغسلها الاجنبي ولا يوممها لتحريم النظر واللمس في حال الحيوٰة فكذلك الموت۔

(یعنی) اگر کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور غیر مردوں کے سوا کوئی نہ ہو تو ہمارے علماء کا قول یہ ہے کہ اس کو کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ غیر مرد نہ اسے غسل دیں نہ تیمم کرائیں اس لئے کہ دیکھنا اور جسم کا چھونا غیر مرد کو زندگی میں بھی حرام تھا۔ اسی طرح موت کے بعد بھی حرام ہے"

شہید اول رحمہ اللہ نے لمعہ دمشقیہ میں فرمایا ہے:۔

فان تعذر دفنا الكافر والكافرة بتعليم المسلم

"اگر عورت اور محرم کوئی موجود نہ ہو تو مسلمان عورت کی لاش کو کافر عورت غسل دے کسی مسلمان کی تعلیم سے"

شہید ثانی شرح میں فرماتے ہیں:۔

والمراد هنا صورة الغسل ولا تعتبر فيه النية۔

"یہ حقیقت میں غسل نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ غسل کی صورت وجود میں آ جائے۔ اس میں نیت کا بھی اعتبار نہیں ہے"

اپنی دوسری کتاب شرح ارشاد میں فرماتے ہیں:۔

وحيث منعنا مباشرة الكافر او تعذر دفن الميت بثيابه بغير غسل ولا تيمم لاستلزامه النظر اللمس المحرمين ۔

"اگر ہم کہیں کہ غیر مسلم کو غسل دینا جائز نہیں ہے یا اتفاق سے غیر مسلم بھی عورت کوئی موجود نہ ہو تو میت کو اس کے کپڑوں سمیت بغیر غسل و تیمم کے دفن کر دینا چاہیے اس لئے کہ غسل اور تیمم دونوں میں نظر اور جسم کو چھونے کی ضرورت ہو گی جو دونوں حرام ہیں (روض الجنان شرح ارشاد الاذہان مطبوعہ طہران ص۹۹)

(ساتویں) اذان اور اقامت نماز کے لئے بڑا تاکیدی حکم ہے بلکہ متعدد علماء وجوب کے قائل ہیں۔ مگر عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

جناب شیخ مفید طاب ثراہ مقنعہ میں فرماتے ہیں۔

وليس على النساء اذان ولا اقامة لكنهن يتشهدن بالشهادتين عند وقت كل صلوة ولا يجهرن بهما لئلا يسمع اصواتهن الرجال ولو اذن واقمن على الاخفات للصلوة لكن بذلك ماجورات ولم يكن به مازورات الا انه ليس بواجب عليهن كوجوبه على الرجال ۔

"عورتوں کو اذان و اقامت کا حکم نہیں ہے بس وہ ہر نماز کے وقت شہادتیں زبان پر جاری کر لیا کریں اسے بھی بلند آواز سے نہ کہیں کہ مردوں تک ان کی صدا پہنچے اور اگر نماز میں آہستہ اذان دے لیں تو انہیں اس کا ثواب ملے گا گناہ نہیں ہو گا۔ مگر حکم تاکیدی ان کے لئے ویسا نہیں ہے جیسا مردوں کے لئے ہے"

(مقنعہ مطبوعہ طہران ص۲۵)

ابن ادریس نے سرائر میں فرمایا ہے:۔

وليس على النساء اذان ولا اقامة بل يتشهدن الشهادتين بدلا من ذلك فان اذن واقمن كان افضل الا انهن لا يرفعن

اصواتھن اکثر من اسماع انفسھن ولا سمعن الرجال۔

اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اذان اور اقامت عورتوں کے لئے نہیں ہے اور اگر دیں بھی تو اس طرح کہ مرد آواز نہ سنیں۔

محقق رحمہ اللہ نے بھی معتبر میں اس پر زور دیا ہے اور امام جعفر صادق کی حدیث نقل کی ہے۔

عن المراۃ تؤذن قال حسن ان فعلت ولا تؤذن للرجال لانھا صوتھا عورۃ۔

دریافت کیا گیا کہ عورت کو اذان دینا چاہیئے؟ فرمایا اچھا ہے۔
اگر اذان دے مگر مردوں کو آواز نہ سنائے۔ اس لئے کہ اس کی آواز بھی عورت ہے یعنی چھپانے کی مستحق ہے۔" (معتبر صہ ۱۶۱)

علامہ حلی نے تذکرۃ الفقہا میں فرمایا ہے:۔

لو اذنت للرجال لم یعتد وابہ لانہ عورۃ فالجھر منھی عنہ

"اگر مردوں کی جماعت کے لئے عورت اذان دے تو اسے کافی نہیں سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ وہ عورت ہے (یعنی پردہ اس کے لئے ضروری ہے) لہذا آواز بلند کرنے کی اسے ممانعت ہے اور ممانعت عبادت کو باطل کر دیتی ہے۔"

شہید ثانی رحمہ اللہ مسالک میں فرماتے ہیں۔

انما یشترط اسرارھا حیث یستلزم الجھر سماع الرجل اما مع عدمہ فتتخیر بین السر والجھر وان کان السر افضل۔

(یعنی آہستہ کہنے کی شرط عورت کے لئے اس وقت ہے جب آواز بلند کرنے سے غیر مرد کے سننے کا اندیشہ ہو لیکن اگر کوئی غیر مرد سننے والا قریب موجود نہ ہو تو اختیار ہے بے شک آہستہ کہنا اس وقت میں بھی افضل ہے۔"

شہید ثانی رحمہ اللہ روض الجنان فی شرح ارشاد الاذہان (مطبوعہ طہران صہ۲۴۹ میں فرماتے ہیں :-

انما یستحب للمرأۃ بل یشرع اذا لم تسمع اذانھا ولعایتھا الرجال الاجانب فان سمعوا مع علیھا حرم ولم یعتد بہ للنھی المفسد للعبادۃ"

اذان واقامت کی مشروعیت عورت کے لئے اس وقت ہے جب اس کی اذان و اقامت کو غیر مرد نہ سنیں اور اگر غیر مرد سن رہے ہوں اور اس کو علم ہو تو حرام ہے اور صحیح بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبادت کا بطور ممنوع ہونا باعث بطلان ہے۔"

(آٹھویں) نماز جماعت میں ضروری ہے کہ امام اور ماموم کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، مگر عورتوں کا پردہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے یہ حکم باقی نہیں رہا۔

وقد رخص للنساء ان یصلین مع الامام من وراء الحوائل -

(مبسوط۔ شیخ الطائفہ مطبوعہ طہران)

شرائع میں ہے۔ ولا تصح مع حائل بین الامام والماموم المشاھدۃ الا ان یکون الماموم امرأۃ (مطبوعہ طہران صہ۲۳)

معتبر میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

قال الشیخ لا یجوزان یوم المرأۃ من وراء الحائل و لعلہ استناد الی روایۃ عمار عن ابی عبد اللہ قال سألتہ عن الرجل یصلی بالقوم وخلفہ دار فیھا نساء ھل یصلین خلفہ قال نعم قلت ان بینہ و بینھن حائطا و طریق قال لا باس ویؤید ذلک ان المرأۃ عورۃ والجماعۃ عبادۃ مھمۃ فی نظر الشرع فیجمع لھا بین الصیانۃ وتحصیل الفضیلۃ ویستوی فی ذلک الحسناء والشوھاء والشابۃ و المسنۃ۔

یعنی شیخ طوسی نے کہا ہے کہ عورت دیوار کے پیچھے سے جماعت میں شریک ہو سکتی ہے۔ غالباً اس کا مستند عمار کی روایت ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے پیچھے ایک مکان ہو جس میں عورتیں ہیں تو یہ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہیں۔ سائل نے کہا اس مرد اور ان عورتوں کے بیچ میں دیوار ہے اور راستہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ مویداس حکم کے یہ ہے کہ صنف نسواں عورت ہے (یعنی پردہ اس کے لئے ضروری ہے) اور نظر شارع میں نماز جماعت ایک اہم عبادت ہے لہذا ایسی صورت نکالی گئی کہ پردہ کی پابندی بھی ہو اور فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے کہ عورت خوب صورت ہے یا بد صورت اور جوان ہے یا سن رسیدہ (معتبر مطبوعہ طہران صہ ۲۳۹)

علامہ حلیؒ نے بھی تذکرۃ الفقہا میں یہی مضمون درج فرمایا ہے۔

اتنے نظائر ہمارے اس دعوے کے اثبات میں کافی ہیں کہ جب دوسرے قوانین شرع اور پردہ کے قانون سے متصادم ہوں تو پردہ کا حکم دوسرے قوانین پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور یہ اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ کی اہمیت کا ایک قطعی ثبوت ہے۔

پردہ کے عقلی پہلو کیا ہیں؟

عزیز اور قابل حفاظت شے کا تحفظ ضروری ہے خطرات کے ہوتے ہوئے امکانی حدود تک ان خطرات سے بچنے کی کوشش مستحسن ہے جو طریق کار ممکن درجہ تک خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو اس کا اختیار کرنا عقلاً پسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا امور میں سے کوئی ایک امر بھی غالباً شک وشبہ کی آماجگاہ بننے کے قابل نہیں ہے۔

اب اس کے بعد یہ دیکھئے کہ عزت وشرف ناموس قابلِ حفاظت چیز ہے یا نہیں۔ پردہ کی پہلی قسم میں اخلاقی حجاب کے بیان میں لکھ چکا ہوں کہ ہمارے ہندو پاکستان کا فکروخیال ابھی تک اس نقطہ تک نہیں پہنچا ہے کہ وہ عزت ناموس کو قابل قدر اور لائق حفاظت نہ سمجھے۔ اس پر بہر حال سب متفق ہیں اور مشرقی مزاج طبیعت ابھی تک اس نقطہ سے ہٹ نہیں سکتا اس لئے اس پر بحث واستدلال کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

یہ عزت ناموس کی دولت خطرات کا مرکز ہے یا نہیں بالکل ظاہر ہے جذبۂ نسوانی اور طبیعتِ مردانہ بقول شخصے مقناطیس وآہن ہے یا آتش وخرمن۔

سید باقر صاحب قبلہ کے ایسے بے نفس ملکوتی صفات انسان نے اپنی کتاب میں تائیدی حیثیت سے بار بار شاعر عرب کا یہ قول دوہرایا ہے:۔

ان من لم یعشق الوجہ الحسن   قرب الرجل الیہ والرسن

جو حسین چہرہ کو دیکھ کر دل دادہ نہ ہو جائے وہ آدمی نہیں جانور سمجھے جانے کا مستحق ہے۔"

مقصد بظاہر یہ ہے کہ شعورِ حسن اور تاثر کا ہونا انسانی اوصاف لازمہ ہے یہ اور بات ہے کہ بلند نظر پابند آئین قدسی صفت انسان اس احساس کو فرض شناسی کے بارے دبا کر عمل کی منزل میں جذبات کو کار فرما نہیں ہونے دیتا مگر ایسے قدسی صفت انسان دنیا میں کتنے ہیں۔ دنیا جیسے انسانوں سے بھری پڑی ہے تو وہ وہی ہیں جن میں قوتِ شعور و تاثر موجود ہے اور ضبطِ نفس کی قوت مفقود ہے ایسی حالت میں خطرات کا اندیشہ قطعی ہے۔

پردہ ان خطرات سے بچنے کا امکانی ذریعہ ہے اس لئے عقلاً اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

نظیریں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ضروری کاغذات بکس میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ جواہرات صندوقوں میں مقفل کئے جاتے ہیں۔ زرِ نقد کے لئے تجوریاں بنائی گئی ہیں جہاں انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے۔

سوتے وقت گھروں کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں بنک کے دروازہ پر قفل کے ساتھ ساتھ پہرہ دار مقرر ہوتے ہیں۔

حکام اعلیٰ جن کی حفاظت بھی زیادہ ضروری اور جن کے دشمن بھی بکثرت ہوتے ہیں ان کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ ہوتے ہیں اور وہ بلا ضرورت مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے جتنی زیادہ عزیز ہو جتنے انسان اس کے طالب ہوں اور جتنے اس کے لئے خطرات ہوں اتنا ہی اس کے لئے حفاظت کا سامان ہوتا ہے۔ اب متاعِ گراں مایہ عزت و شرافت کے متعلق اپنے پیمانہ نگاہ کا اندازہ کیجئے کہ وہ آپ کے نزدیک کس قدر قیمتی ہے۔ اگر ضروری کاغذات سے زیادہ قیمتی نظر آئے۔ اگر روپیہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہو اگر آپ کے اثاث البیت اور ہر مال و متاع سے بڑھ کر اس کی عزت محسوس ہو بلکہ اکثر شرفا کی نگاہ میں جان سے زیادہ عزیز معلوم ہو تو پھر اس کی حفاظت میں اتنا ہی زیادہ انہماک بھی صرف کرنا ہوگا اور اس صورت

میں پردہ کو ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جا سکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی امر کے ثبوت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک مقتضی کا موجود ہونا دوسرے موانع کا مفقود ہونا۔

پردہ کے متعلق مقتضی کے ثبوت کے لئے اتنا بیان کافی ہے رہ گیا موانع کا برطرف ہونا اس کے لئے ضرورت ہے کہ پردہ کے خلاف جو پہلو پیش کئے جاتے ہیں ان کا ایک ایک کر کے تذکرہ کیا جائے اور انہیں رد کیا جائے جب وہ رد ہو جائیں گے تو پھر پردہ کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

پہلا اعتراض طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی تمنا ہوتی ہے۔ اس مضمون کی عربی کی مثل مشہور ہے اس لحاظ سے پردہ کا نظام خود ہوس کے بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اگر پردہ اٹھا یا جائے تو ہوس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

جواب پردہ یعنی نقاب یا برقع اٹھانے کے بعد بھی صنفی معاشرت میں کسی نقطہ پر تو ہمارے مشرق کے آزاد خیال مصلحین بھی پابندی عائد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یعنی بالکل مطلق اور بلا قید اختلاط جنسی کی آزادی دینے کے وہ بھی حامی نہیں ہیں اور جب کہ یہ اصول ہے کہ جس چیز سے روکا جائے اسی کی ہوس ہوتی ہے تو موجودہ حالت میں جب کہ پردہ کی پابندی ہے اور چہرہ پر نقاب ہے تو ابتدائی مرکز تمنا صرف چہرہ کا دیدار ہو جاتا ہے اور بہت سے خوش قسمت وہ ہوں گے جو رخ کی ایک جھلکی ہی پر اپنے کو کامیاب سمجھ لیتے ہیں لیکن اگر چہرہ کی نقاب کو اٹھا دیا جائے اور برقع کی پابندی نہ رہے لیکن اس کے بعد کی منزلوں میں معاشرتی پابندیاں قائم رہیں تو اس صورت میں تیر ہوس کا پہلا نشانہ وہی ہوگا جس سے دامن عفت بالکل تار تار نظر آئے۔ یوں سمجھیئے یہ چہرہ کی نقاب ایک قلعہ ہے جس سے ہوس کے تیر ٹکرا ٹکرا کر رہ جاتے ہیں اور نگاہ ہوس کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر نقاب نہ ہو اور اس کے بعد ہوس کی ناو انگنی جاری رہے تو پھر براہ راست خطرہ کا مرکز سرمایہ آبروہی ہوگا۔ جس کا تحفظ شرفا جان سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

اگر پردہ اٹھنے کی صورت میں وہ خطرات صحیح سمجھے جائیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو چاہیئے کہ یورپ میں جہاں پردہ نہیں ہے اس قسم کے شرمناک واقعات بکثرت واقع ہوں حالانکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہندوستان میں ایسے شرمناک واقعات آئے دن ہوا کرتے ہیں اور اخباروں تک میں شائع ہوجاتے ہیں جب کہ یورپ کے اخبارات ایسے اطلاعات سے خالی ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں اخلاقی نقصانات کا تصور ایک توہم ہے اس میں حقیقت نہیں ہے۔

جواب

ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے گوش زد اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور شاذ و نادر حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جب کہیں کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس کا چرچا بھی ہوتا ہے اور اخباروں میں بھی اشاعت ہوتی ہے لیکن یورپ میں اس طرح کے واقعات اتنے عام اور کثیر الوقوع ہو گئے ہیں کہ ان کے بیان کرنے اور سننے میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ اسی لئے نہ ان کا چرچا ہوتا ہے اور نہ اخباروں میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اخباروں میں تو وہی چیز شائع ہوتی ہے جس میں کوئی ندرت ہو۔

ایک مرتبہ ایک اخبار میں میں نے "اخبار کے لائق خبر" کا معیار پڑھا ہے اس میں لکھا تھا کہ اگر کوئی کتا کسی آدمی کو کاٹ کھائے تو یہ کوئی ایسی خبر نہیں جو اخبار میں شائع ہو لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتے کو کاٹ لے تو یہ اخبار میں شائع ہونے کی خبر ہوگی۔

بس اب سمجھ لیجئے کہ ہندوستان میں اس طرح کی بداخلاقی کے شرمناک واقعات ابھی تک ایسے ہیں جیسے آدمی کتے کو کاٹے اس لئے ان کی اشاعت ہوتی ہے اور یورپ میں اس طرح کے واقعات کی حیثیت وہی ہے جیسے کتا آدمی

پھر بھی مردم شماریوں سے اور ناجائز پیدائشوں کے اعداد سے اس ہولناک تمدنی بربادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو یورپ میں بے پردگی کے نتائج میں ہو چکی ہے اور ہونے والی ہے جس سے ہندوستان و پاکستان اب تک خدا کے فضل سے صرف پردہ کی بدولت محفوظ ہیں۔ اللہ ان کو یوں ہی محفوظ رکھے۔

تیسرا اعتراض

اگر پردہ ان خطرات سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہوتا جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تو ان گھرانوں میں جہاں پردہ کی پابندی ہے اس قسم کے شرمناک واقعے کبھی ظہور میں نہ آتے۔ حالاں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ تو پھر پردہ سے کیا فائدہ ہے۔

جواب

ہمارے ان گھرانوں میں جہاں پردہ کا رواج ہے اکثر و بیشتر پردہ کی پابندی ان اصول کے ساتھ ہوتی نہیں جو شرع نے مقرر کیے۔ شرع نے محرم اور نامحرم کے حدود مقرر کئے تھے ان کے برخلاف رواجی طور پر محرم و نامحرم خود مقرر کئے گئے ہیں۔ مثلاً شریعت نے بھائی کو محرم قرار دیا تھا۔ بھائی کے معنی تھے اپنے باپ اور ماں کی اولاد۔ سگے چچا کا بیٹا تک شرعاً ابن العم اور ابن الخال ہے۔ بھائی نہیں ہے مگر ہمارے ہندوستانی تمدن نے بھائی کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا۔ یوں ہی ماموں اپنے حقیقی نانا اور نانی کی اولاد، چچا اپنے حقیقی دادا اور دادی کی اولاد کو کہتے ہیں۔

یہاں رشتہ کے ماموں اور رشتہ کے چچا کو لے کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی گئی۔ کسی سے پوچھئے یہ آپ کے کون ہیں۔ پہلی مرتبہ جواب مل جائے گا۔ بھائی یا چچا یا ماموں یا دادا یا نانا۔ اب اگر دہرا کے آپ ذرا تحقیق طلب انداز سے پوچھ لیجیے آپ کے بھائی ہیں؟ یا آپ کے چچا ہیں؟ یا آپ کے نانا ہیں؟ وغیرہ۔ تو اکثر یہ جواب ملے گا کہ جی ہاں بھائی ہوتے ہیں۔ چچا ہوتے ہیں یا نانا ہوتے ہیں۔ اس ہوتے ہیں کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یعنی بھائی ہیں نہیں۔ چچا ہیں نہیں۔ ماموں ہیں نہیں۔ بلکہ کسی دور کے ذریعہ سے رشتے لگا کر بھائی، چچا، ماموں بنائے گئے ہیں۔ بھائی ہیں یعنی دادا کے بھائی زاد

بھائی کے مثلاً پوتے ہیں۔ ماموں ہیں۔ یعنی والدہ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ چچا ہیں یعنی والد کے چچازاد بھائی ہیں۔ دادا ہیں یعنی دادا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ نانا ہیں یعنی نانا کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

یہ تو قریب کے رشتوں کا درجہ ہے اور اس کے آگے پھر اضافتوں کی کثرت سے حدود میں آگے بھی وسعت ہوتی ہے۔ پھر یہ تو نسبی رشتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے لئے بہنوئی۔ جیٹھ۔ دیور۔ سب ہی محرم بنا دئیے گئے ہیں۔ بڑا بہنوئی اور جیٹھ بڑے بھائی اور زیادہ سن کے تفاوت میں باپ کے برابر اور چھوٹا بہنوئی اور دیور چھوٹے بھائی یا بیٹے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

ان رشتوں کے ساتھ پردہ کو غیریت کا مظاہرہ قرار دے کر بُرا سمجھا جاتا ہے پھر اکثر رؤسا اور نوابین کے یہاں تو گھر بہشتی، گھر کا ملازم، گھر کی پرانی ماما کا گھر میں پلا ہوا بچہ جو اب بڑا بھی ہو گیا ہو۔ انّا کا ذکر نہیں جس کا بیٹا مخصوص شرائط کے ساتھ شرعاً برادر رضاعی قرار پاتا ہے۔ لیکن کھلائی کا لڑکا بھی بچپن میں پڑھانے والا مولوی، میاں جی اور ماسٹر یہ سب ہی پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ غرض یہ کہ محرم اور نامحرم کی تفریق میں شرع کے اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم پردہ داری میں شریعت کے پابند ہیں۔ حالاں کہ حقیقت میں وہ پردہ کو بحیثیت فریضہ شرعی کے ان حدود کے ساتھ انجام ہی نہیں دیتے بلکہ رواجی طور پر اپنے رسم و رواج کے اصول و قواعد کے ساتھ اس پر عمل درآمد رکھتے ہیں۔

شرفا کے گھرانوں میں کبھی کبھار جو اس قسم کے واقعات ہوئے یا خدانخواستہ ہوں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اکثر ایسے ہی اشخاص کی بدولت جنہیں شریعت نے محرم قرار نہیں دیا ہے۔ مگر رسم و رواج میں انہیں پردہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور اس لئے وہ خراب نتائج پیدا ہوئے اور اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس محدود دائرہ میں بے پردگی ہو گی وہ کیسے خراب نتائج پیدا کر سکے گی۔

چوتھا اعتراض

پردہ نوع انسانی کے نصف جسد کو بے کار و معطل بنا دیتا ہے اور کش مکش حیات میں حصہ لینے سے مانع ہے۔

جواب

کار آمد ہونا ہر شے کا اپنے اعتبار سے ہوتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ زندگی کے کام وہی ہیں جنہیں مرد انجام دیتا ہے تو چونکہ عورت پردہ کی وجہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیتی تو یہ سمجھا جا سکے گا کہ وہ بیکار ہو گئی مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ نظام حیات کا کارخانہ بہت وسیع ہے جس کے کچھ کل پرزے اوپر کام کرتے ہیں اور کچھ اندر کام کرتے ہیں اور سب کی شرکت سے اس نظام حیات کی تکمیل ہوتی ہے۔

عورت اور مرد میں فطری حیثیت سے تفرقہ ہے اور بہت سے کام تعمیر نوع کے عورت کے ذمہ ایسے ہیں جن میں مرد اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ تو کیوں نہ مرد کے ذمے بھی کچھ فرائض ایسے ہوں جن میں عورت حصہ نہ لے سکے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت بیکار ہو گئی بلکہ تقسیم عمل کے ساتھ ہر ایک صنف اپنے شعبہ میں با کار رہتی ہے۔

اسلام جو نبض شناس فطرتِ بشری ہے اس نے عورت اور مرد کی فطرت کے تفرقہ کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل سے کام لیا ہے۔ اس تقسیم عمل کو پیغمبر اسلام کی گود کے پلے ہوئے مرد اور عورت حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام نے عملی طور پر دکھلا دیا۔ باغوں میں جانا۔ کنوئیں سے پانی کھینچنا، آب کشی کرنا حضرت علی بن ابی طالب کا کام اور گھر میں سوت کاتنا۔ چرخہ چلانا۔ چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا حضرت فاطمہ زہرا کا کام۔ ظاہر ہے کہ دونوں فرد یں کش مکش حیات میں مصروف عمل ہیں مگر گھر کے باہر کے کام مرد سے متعلق ہیں اور گھر کے اندر کے کام عورت سے متعلق ہیں۔ انتظام خانہ داری عورت سے متعلق اور تحصیل معاش کا بار مرد کے سر۔

دونوں صنفوں کے خصوصیاتِ طبیعت جو قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں وہ بھی اسی کے متقاضی ہیں۔ انتظام و تدبر کا تعلق قوتِ خیال کے ساتھ ہے جو نفسیاتی طور پر عورت میں غالب ہے اور تحصیلِ معاش کا تعلق قوتِ جسمانی اور جوشِ عمل کے ساتھ ہے جو مرد میں فراواں ہے۔ اسی طرح طاقت کا غلبہ اور تحفظِ اقتدار کی صلاحیت مرد میں زیادہ ہے اس لئے اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا اور اعلان کیا کہ الرجال قوامون علی النساء

آج کا مرد جو کش مکشِ حیات کے میدان میں عورت کو اپنے دوش بدوش بلانا چاہتا ہے یہ حقیقۃً اپنی پست ہمتی کا مظاہرہ ہے جب خود اکیلا اس وقت کے معاشی مشکلات میں ناکارہ ثابت ہو رہا ہے تو عورت کو مدد کے لئے بلاتا ہے حالاں کہ ابھی جبکہ میدانِ مقابلہ میں صرف مرد ہیں تب تو بہت سے مردوں کو قدم ٹھکانے کی جگہ نہیں ملتی اور اگر کہیں اس میدان میں عورتیں بھی آگئیں تب کیا عالم ہو گا اور مرد کس کام کے رہیں گے اور پھر جو عورت کے فرائضِ خاص اور خانہ داری کی ذمہ داریاں ہیں ان میں بھی کمی ہو گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ عورت اپنی نسوانیت کے شعبہ میں بے کار اور مرد اپنے مردانہ جدوجہد کے شعبہ میں بے کار۔ وہ گھروں کے بجائے محکموں اور کارخانوں کے بجائے تھیٹروں اور سینماؤں میں فرصت کے اوقات میں دونوں ہی بجائے زینت کا شانہ ہونے کے زیبِ تماشہ گاہ کبھی محوِ تماشہ اور کبھی خود تماشہ۔

گھر بار نوکروں پر اور بچے بھی نوکروں پر۔ یہ ہے سچی تصویر اس موجودہ تمدن کی جس میں گھر برباد ہوتے ہیں اور سیر گاہیں آباد ہوتی ہیں۔

نہ مرد ہی کام کے رہتے ہیں اور نہ عورتیں ہی حقیقت میں کام کی رہتی ہیں۔ اس سے ہزار درجہ بہتر ہمارا پردہ کا نظام ہے جس میں بقولِ مخالف آدھی صنفِ انسانی بے کار رہتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے شعبوں میں باکار ہیں اور مساوی طور پر تقسیمِ عمل کے ساتھ کش مکشِ حیات میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

پانچواں اعتراض

پردہ عورتوں کو تعلیم و ترقی کے حصول سے مانع ہے۔

جواب

تعلیم کے معنی مطلق حصولِ علم کے لیے جائیں اور علم سے مراد فائدہ رساں علم مراد لیا جائے تو یہ بالکل غلط ہے کہ پردہ عورتوں کو ایسا علم حاصل کرنے سے مانع ہے۔ ہاں اگر تعلیم سے مراد صرف کالج اور یونیورسٹی کے علوم متعارفہ اور ان کی ڈگریاں ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ اس حصول میں دشواری سمجھی جاسکتی ہے مگر طبقہ نسواں کے لیے ان علوم کی افادیت بڑی حد تک خارجِ بحث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ پردہ حصولِ ترقی میں مانع ہے ہر طبقہ اور ہر صنف کی ترقی یہ ہے کہ اپنے خصوصیات کے اندر ترقی کرے۔

مثال کے طور پر ایک بڑھئی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ شاعری اچھی کرنے لگے۔ ایک شاعر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ مریضوں کا علاج اچھا کرنے لگے۔ ایک ڈاکٹر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ کپڑے اچھے سینے لگے۔ ایک درزی کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ منطقی مسائل پر بحث اچھی کرنے لگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شعبہ کے ماہر کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شعبے میں زیادہ ماہر ہو جائے۔ یونہی مرد اور عورت جو دو صنفیں ہیں ان میں جس طرح مرد کی یہ ترقی نہیں ہے کہ وہ نسوانی اوصاف قبول کرے اسی طرح عورت کی ترقی یہ نہیں ہے کہ وہ ہر فن جس میں مرد اس وقت مہارت رکھتے ہیں اس کو حاصل کرکے خود اس میں مہارت کی دعویدار ہو جائے بلکہ مرد کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر مرد بنے اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ بہتر عورت بنے۔ موجودہ تعلیم و ترقی میں عورتوں کے لئے سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو جغرافیہ، سائنس، منطق، فلسفہ، قانون، تاریخ، ادب، علم الحیوانات، علم النباتات، علم النفس، فن طبیعات، فنِ اقتصادیات فن سیاسیات سب کچھ سکھا دیتی ہے مگر اچھی عورت بننا ہی نہیں سکھاتی اور یہی اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور اس کی تعلیم کے لئے پردہ مانع نہیں

بلکہ معاون ہے۔

پھر اس تعلیم کے حصول کے ساتھ دوسرے فنون بھی سکھانا ہیں تو پردہ کی پابندی کے ساتھ ان کے سکھانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے باپ اپنی لڑکی کو بھائی اپنی بہن کو تعلیم دے سکتا ہے بلکہ سیدہ عالمؑ نے دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ ضرورت ہو تو بیٹے سے ماں اپنے معلومات کے حصول میں مدد لے سکتی ہے۔

حالانکہ سیدہ عالمؑ قدرت کی جانب سے جو ہر علم سے مالامال کی گئی تھیں۔ مگر آج چونکہ سیدہ عالمینؑ کے علمی کمال یا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے کمالِ علم وفضل سے عورتوں کی تعلیم پر غلط طور سے استدلال کیا جاتا ہے اس لیے یہ بھی تو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ طریقہ اس کا کیا بتایا گیا ہے۔

کسی درس گاہ کالج اور معاذ اللہ سیر گاہ کا کیا تذکرہ ہو سکتا ہے حضرت سیدہ عالم تو کبھی اپنے والد بزرگوارؐ کے موعظہ میں آکر نہیں شریک ہوئیں۔ حالانکہ بیت الشرف مسجدِ رسولؐ سے متصل تھا اور صحن مسجد میں دروازہ تھا۔ کیا آپ کو اپنے مقدس باپ کے موعظہ سے استفادہ کا اشتیاق نہ تھا۔ ضرور تھا اور اس کا نتیجہ ہے کہ جب بڑا شاہزادہ حسنؑ مجتبیٰ مسجد سے واپس ہوتا تھا تو سیدہ عالمؑ پوچھ لیتی تھیں کہ پدر بزرگوار نے آج موعظہ میں کیا بیان کیا اور حسنؑ بیان کر دیا کرتے تھے۔

اس طرح سیدہ عالمؑ نے بتا دیا کہ اگر ضرورت ہو تو اپنے بیٹے سے مدد لے لو مگر گھر سے قدم باہر نہ نکالو۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا بھی جو علمی کمال تھا وہ اپنی مادرِ گرامی کی آغوش تعلیم اور بھائیوں کی معصومانہ تربیت کے سوا کسی انسان کا رہین منت نہ تھا۔ خالق کا فیض فطرت اس کے علاوہ ہے۔

نسوانی ترقی کے معیار کو سیدہ عالمؑ اور ان مخدرات نے دنیا کے سامنے واضح کر دیا ہے اور وہی عقلی نقطہ نظر سے بھی ترقی کا حقیقی معیار ہے۔

مرد اور عورت جب کہ مزاج طبعی میں الگ الگ ہیں تو مرد جن فنون میں

پایہ ترقی تک پہنچتا ہے ان فنون کے اعتبار سے عورت کی ترقی کو جانچنا فطرت نسوانی پر ایک ظلم اور اس کی توہین ہے اور اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے گا تو عورت کبھی مرد کے حدود تک پہنچتے نظر ہی نہیں آئے گی خواہ پردہ ہو اور خواہ پردہ نہ ہو۔ مشاہدہ اس کا قطعی گواہ ہے۔

ممکن ہے میری یہ صاف بیانی محترم خواتین کے لئے وقتی طور پر ناگوار ہو مگر میرے نزدیک اس میں ان کی کوئی توہین نہیں ہے بلکہ ان کے جوہر فطری کی خصوصیت کا اظہار ہے جس میں مرد ان کے ساتھ حصہ نہیں رکھتا اور یہ فطرت کا ایک عدل ہے کہ اس نے ہر ایک مخصوص جوہر ذاتی کے اعتبار سے فرائض سپرد کئے ہیں۔

وہ صاف بیانی جس میں تلخی محسوس ہونے کا اندیشہ ہو رہا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کو جانے دیجئے جس میں عورتیں بیچاری بقول شخصے زندہ درگور یعنی پردہ میں مقید ہیں۔ ایران اور عراق میں بھی کم دیکھئے کہ عورتیں چار دیواری میں قید نہ سہی پھر بھی برقع و نقاب کے شکنجہ میں اسیر ہیں مگر یورپ میں تو صدیوں سے پردہ اٹھ چکا ہے اس کے باوجود اعداد و شمار سے مجھے بتائیے کہ مدبرین عالم میں عورتیں کتنی ہوئیں اور اس وقت کتنی موجود ہیں۔

یہ ہزاروں ایجادیں جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں ان کے موجدین میں عورتیں کتنی ہیں؟

جو ہزاروں علمی انکشافات ہوئے اور ہو رہے ہیں ان انکشافات کرنے والوں میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے؟

اس وقت اور اس کے پہلے کے فوجی افسروں اور ماہرین حرب میں عورتیں کتنی ہیں، بڑے بڑے عدالتی محکموں کے افسروں میں اور ماہرین قانون میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

مختلف علوم و فنون کے مصنفین میں عورتوں کا تناسب کیا ہے؟

اگر آپ کو اتنی صدیوں کی بے پردگی اور تعلیمی آزادی کے بعد ان تمام شعبوں میں

عورتوں کا درجہ نقطہ کے برابر نظر آئے اور آپ یہ دیکھیں کہ اس بے پردگی کے ماحول میں عورت نے ان علوم وفنون میں مرد کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی قابل لحاظ ترقی نہیں کی ہے اس کے برخلاف سینما کے ایکٹریسوں میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آئیں گے۔ حسن کے مقابلہ میں ملکہ حسن بننے کی کوشش کرنے والی یا یہ لقب حاصل کر لینے والیوں کی فہرست میں بہت نام نظر آئیں گے۔ اسپتالوں اور شفا خانوں میں مرہم پٹی اور تیمارداری کرنے والیوں میں بہت سی فردیں نظر آئیں گی اور اگر علوم وفنون کے شعبوں میں نام سنائی دے تو افسانہ نگار، اخبار نویسی اور شاعری کے ایسے لطیف ادب کے شعبوں میں وہ بھی مردوں کے برابر نہیں تو پھر سچائی کے ساتھ فطرت کے رب کی بارگاہ میں سرخم کر دیجئے۔ اس تفریق کو مانتے ہوئے جو اس نے عورت کے درمیان رکھ دی ہے اور پیشانی جھکا دیجئے۔ پیغمبر فطرت کے اس ارشاد کے سامنے کہ

المرأة ريحانة وليست بقهرمانة۔

"عورت پھولوں کا گلدستہ ہے، طاقت وقوت کا مجسمہ نہیں ہے۔"

یہ ارشاد جو دونوں کے اختلاف فطرت کے ساتھ اختلاف فرائض کا پتہ دے رہا ہے جس اختلاف پر تقسیم عمل کے قانون کی بنیاد قائم ہے۔ جس قانون سے بغاوت لفظی کے طور پر صدائے بے ہنگام کے طور پر زبان سے ہوتی رہے مگر عملی دنیا میں نہ کامیاب ہوئی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

چھٹا اعتراض اچھے بچے اچھی ماؤں ہی کی گود میں پل کر بڑھ سکتے ہیں جب مائیں جاہل توہم پرست اور کوتاہ نظر ہوں گی تو بچوں میں علمی اور نظری بلندیوں کا پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔

جواب اصل اصول مسلم ہے۔ بے شک اچھے بچے اچھی ماں ہی کی گود میں پیدا ہو سکتے ہیں، مگر شرط یہی ہے کہ اچھی ماں ہو اور بچہ کو اپنی گود میں پناہ دینے کا وقت بھی رکھتی ہو۔

موجودہ تعلیم وتمدن میں تو خرابی یہی ہے کہ وہ عورت کو بقدر صلاحیت اجتماعیہ

داں، سائنس داں، تاریخ داں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بنا سکتی ہے مگر اچھی ماں نہیں بنا سکتی اور نہ اُسے بچوں کی تربیت کی طرف متوجہ رکھ سکتی ہے۔ بچہ کی جائے پناہ ملازم یا ملازمہ کی گود اور اس کی نگرانی رہ جاتی ہے اور ماں بس کسی کسی وقت تفریحاً بچہ کے ساتھ اظہار محبت کرے تو کر دے عملی طور پر اس کی تربیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اس کا نتیجہ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ناموں کی تصریح کے ساتھ بیان کرنا ممکن ہے کچھ "آبگینوں" کو ٹھیس لگنے کا سبب بن جائے مگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ملک ہماری قوم کے مایۂ ناز فرزند جن میں سے بعض ہوائے تجدد میں پرواز کرتے ہوئے خود اس وقت پردہ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور اسی طرح کے دلائل پیش کر رہے ہیں جن پر تبصرہ ان سطور میں مدنظر ہے۔ ہاں ہاں بے شک یہ ہماری قوم کے سرمایہ فخر فرزند جو اپنے دماغی اور عملی کارناموں کی بدولت آسمان تمدن پر سورج بن کر چمکے ہیں۔ خود پردہ دار اور قدیم تمدن کی پابند ماؤں کی گود میں پل کر پروان چڑھے ہیں جب کہ ان کی اولاد جو ہرگز اپنے بزرگوں کے درجہ پر نہیں پہنچ سکی بے پردہ دار ماؤں کا نتیجہ پرورش ہے۔ ہمارے یہ "مصاحبین" اگر خود اپنی آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ کی پابندی کے ساتھ تھی اور اپنی اولاد کے آغوش تربیت کے نتیجہ پر جو پردہ سے آزاد ہے، ایک عبرت پذیر توجہ کے ساتھ غور فرمائیں تو پردہ کے خلاف اپنے استدلال کی کمزوری کا خود انہیں اندازہ ہو سکتا ہے۔

ساتواں اعتراض پردہ سے عورت کی توہین و تذلیل ہوتی ہے اور یہ بڑی ناانصافی ہے کہ مردوں کو تو پردہ کا حکم نہ دیا جائے اور عورتوں کو پردہ میں قید رکھا جائے۔

جواب جنسِ عزیز کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ پردہ میں رکھی جاتی ہے۔ توہین کا تخیل اس میں نہایت عجیب ہے۔ بلکہ اگر کوئی توہین کا اس میں پہلو ہو سکتا ہے تو مرد کے لئے کیونکہ حفاظت اسی سے کی جاتی ہے جس پر اعتماد و اطمینان نہ ہو۔ مثال کے طور پر

اپنے ضروری کاغذات یا نقد و جواہرات کا کوئی صندوقچہ کھولے ہوئے دیکھ رہے ہوں اور کوئی آپ کا سمجھا بوجھا ہوا دوست آجائے تو آپ بدستور صندوقچہ کھلا ہوا چھوڑ کر اس سے گفتگو میں مصروف ہو جائیں گے لیکن ذرا کوئی مشکوک آدمی آگیا اور آپ فوراً صندوقچہ کو مقفل کر دیتے ہیں۔ یہ اس شخص کو دیکھتے ہی صندوقچہ کو مقفل کر دینا اس شخص کی ایک طرح سبکی کا باعث ہو سکتا ہے جس کے آنے پر حفاظت ضروری سمجھی گئی ہے یوں ہی سمجھ لیجئے کہ فطرت شناس دین اسلام کو عورت کی سلامت روی پر اعتماد و اطمینان تھا کہ تحریک خیانت طبعاً عورت کی جانب سے نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے مرد کا حسن اگر بے پردہ رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے لیکن مرد کی نیک دلی پر اسلام نے اعتماد و اطمینان نہیں کیا۔ اس لئے عورت کو پردہ میں رکھا گیا۔ تاکہ اس کی دولت حسن و آبرو دست برد و غارت گری سے محفوظ رہے۔ اسی لئے عورتوں کا پردہ خود عورتوں کو اتنا بار نہیں جتنا آج کل کے "غیور و خود دار مردوں کو بار ہے۔

کاش عورت نے بطور خود پردہ پر احتجاج کیا ہوتا تو اس میں خلوص اور ذاتی تاثر کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے پردہ پر احتجاج مردوں نے شروع کیا۔ برا نہ مانا جائے تو کہوں کہ یہ احتجاج ایسا ہے جیسے تمام دنیا کے چور اور ڈاکو مجتمع طور پر کانفرنس منعقد کریں اور اس پر احتجاج کریں کہ راتوں کو گھروں کے دروازے بند کیوں ہوتے ہیں؟ صندوقوں اور تجوریوں میں قفل کیوں لگائے جاتے ہیں اور بینکوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے؟ ایسے احتجاج کی وقعت معلوم ہے۔

یہ ضرور ہے کہ شاطر مرد اس احتجاج میں عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں اور اس لئے دھوکے میں آکر بعض عورتیں بھی ان کی آواز میں آواز ملا دیتی ہیں مگر طاقتور فرد یا جماعت کی ہمیشہ اور بالخصوص موجودہ دور میں جو سیاست کا وطیرہ اور ادا یہ ہے کہ وہ کمزور کا ہمدرد بن کر اسے لوٹے۔ آج تو جو بھی طاقت کسی

ملک پر حملہ کرتی ہے وہ اس ملک کی بہبودی کے لئے حملہ آور ہوتی ہے اور جو فاتح کسی ملک پر قبضہ کرتا ہے وہ اس ملک والوں کی نابالغی کی بنا پر بحیثیتِ ولی اس کا سرپرست ہی ہو کر قابض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرد نے عورت کو ہمیشہ کھلونا بنائے رکھا اور اپنی مطلب برآری کے لئے کبھی اس کی قدر و قیمت کا لحاظ نہ کیا۔ یہ صرف مذہب تھا جو کمزوروں کا حقیقی محافظ ہے اور جس نے کمزور سمجھ کر ہی عورت کو مرد کے دستِ تطاول سے بچانے کے لئے پردہ کے قلعہ میں محفوظ کیا جسے آج کل کا آزادی پسند مرد مذہبی قیود سے آزادی کی عام خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صنفِ نازک کا ہمدرد بن کر ڈھانا چاہتا ہے اور نسوانی عزت کو صنفِ لطیف کی عام غارتگری کی آماجگاہ بنا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلام نے پردہ کا جو حکم دیا ہے وہ اگر کسی توہین پر مبنی ہوتا تو جن عورتوں کی عزت مذہبی طور پر زیادہ کرنا اسلام کا نصب العین تھا ان کے لئے پردہ میں کمی ہوتی لیکن جب کہ ہم اس کا عکس دیکھتے ہیں یعنی دخترِ رسولؐ اور ازواجِ رسول پردہ کی دوسری عورتوں سے بڑھ چڑھ کر پابند بنائی گئی ہیں۔ تو اس سے زاویۂ نظر صاف معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ پردہ بنظرِ توہین نہیں بلکہ بنظرِ عزت ہے اس لئے جس کا جتنا زیادہ وقار ہے اتنا ہی اس کا پردہ زیادہ ہے۔ خدا ہماری خواتین کو اپنے نادان دوستوں اور دانا دشمنوں دونوں سے محفوظ رکھے۔

آٹھواں اعتراض

پردہ صحت کے لئے مضر ہے روشنی اور تازی ہوا پہنچ نہیں سکتی جس کی وجہ سے فیصدی نوے عورتوں کو دق ہو جاتی ہے۔

جواب انسانی نظامِ زندگی میں منفعت اور مضرت کے پہلو تقریباً ہر چیز میں ہیں ایک کسان دن بھر دھوپ میں ہل جوتتا ہے یقیناً دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑے رہنا صحت کے لئے مفید نہیں ہے بہت مضر ہے مگر اس حفظانِ صحت

کی خاطر یہ حکم لگا دیجئے کہ کاشتکاری نہ کی جائے تو کیا انجام ہوگا۔ ریلوے انجنوں کے ڈرائیور ہر وقت کوئلہ پھانکتے اور دھوئیں سے دوچار رہتے ہیں اس کے مضر صحت ہونے میں کیا شبہ۔ مگر یہ فتویٰ نہیں دیا جا سکتا کہ ریلیں چلانا موقوف

جن شہروں میں مل (کارخانے) ہیں وہاں کی آب و ہوا عموماً خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ملوں کا دھواں اور اس کے اندر کے ذرات جو شہریوں کے جگر اور پھیپھڑوں تک پہنچتے ہیں بڑے خراب اثرات پیدا کرتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب مل بند کر دیئے جائیں ایسا بھی نہیں کہ ان تمام مضر صحت اثرات کے اندر رہنے والے سب اثر قبول ہی کر لیتے ہوں۔ قدرت کی طرف سے ایک مضر چیز کے اثر کو زائل کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا مصلح چیزیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر اشخاص زندہ بھی رہتے ہیں اور نہیں متاثر ہوتے۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پردہ حفظان صحت کے لئے مضر ہے تو اس کی وجہ سے وہ ضرورت نظر انداز نہیں کی جا سکتی جو پردہ کے قیام کی متقاضی ہے۔

بے شک پردہ کے حدود کے اندر جہاں تک ممکن ہو ان مضر اثرات کو دور کرنے کی کوشش بھی کی جائے مثلاً صاحبانِ دولت اگر خود اپنی پردہ دار کوٹھی کے گرد ایک وسیع احاطہ کو زنان خانہ سے مخصوص کر دیں تو روشنی اور تازہ ہوا سے عورتیں متمتع ہو سکتی ہیں۔ پھر شرعی پردہ کی واجب مقدار کے ساتھ باپ بھائی یا عزیزوں کی نگرانی میں اگر کسی باہر کے اپنے باغ یا کھیتوں میں وہ تفریح بھی کرنا چاہیں تو شریعت دامن پکڑ کے روکے گی نہیں۔

حالانکہ جس طرح پردہ میں یہ مضرت جسمانی کا پہلو ہے اسی طرح حفظان صحت کا پہلو بھی موجود ہے۔ وہ یہ کہ سڑکوں پر راستوں میں گلیوں میں اور بالخصوص سینماؤں اور تھیٹروں میں جہاں بھیڑ ہوتی ہے۔ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور ہر طرح کے لوگ پاس پاس بیٹھے ہیں نہ جانے کتنی قسم کے امراض کے مبتلا لوگوں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔ کتنوں سے بات چیت ہوتی ہے۔ کیسے کیسے اشخاص کے پاس بیٹھنا ہوتا ہے اور مختلف طرح کے

جراثیم ہوا میں تنفس اور تکلم کے ذریعہ سے جسم تک پہنچنے کے امکانات ہوتے ہیں اور ان جراثیم کی مضرتوں سے عورتیں پردہ کی پابندی کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہ سکتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ پردہ کے رواج کو چودہ سو برس کے قریب ہو چکے پھر بھی مسلمانوں میں عورتوں کی مردم شماری کا تناسب مردوں سے زیادہ ہی رہا جس کی وجہ سے ایک ایک مرد کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت کا نفاذ رہا اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ بڑی پردہ کی پابند عورتیں بھی اسی اور نوے یا اس سے زیادہ کی عمر تک پہنچتی رہی ہیں۔ جب کہ موجودہ زمانہ میں جو بہ نسبت پہلے کے اوسط کے لحاظ سے بہت سی مسلمان عورتوں میں بھی آزادی پیدا کر چکا ہے عمروں کی مقدار بہ نسبت پہلے کے گھٹ گئی ہے۔

یہ پردہ کی برکت نہیں بلکہ موجودہ زمانہ کے حفظان صحت کے اصول سے گھرے ہوئے مگر غیر فطری ماحول اور مصنوعی زندگی کی برکت ہے۔ جس کی وجہ سے مردوں کی عمر طبعی بھی پہلے کی بہ نسبت گھٹ گئی۔ پھر عورتوں کی عمر کا گھٹنا پردہ کا نتیجہ کیونکر سمجھا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے خلاف جتنے اعتراضات ہیں وہ سب بالکل غلط ہیں عقلی حیثیت پردہ مستحسن اور شرعی حیثیت سے لازم ہے اور مسلمان عورت کے لئے مذہبی طور پر اس کی بندی بہر حال ضروری ہے۔

قرآن فہمی کے لیے :

دورِ حاضر کی عظیم تفسیرِ قرآن

تفسیر نمونہ

کا مطالعہ ناگزیر ہے

اپنے قریبی بک سٹال سے رجوع فرمائیں

مصباح القرآن ٹرسٹ

۱۰۔ گنگا رام بلڈنگ، شاہراہ قائد اعظم۔ لاہور

ملنے کا پتہ } قرآن سنٹر ۲۴، الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور